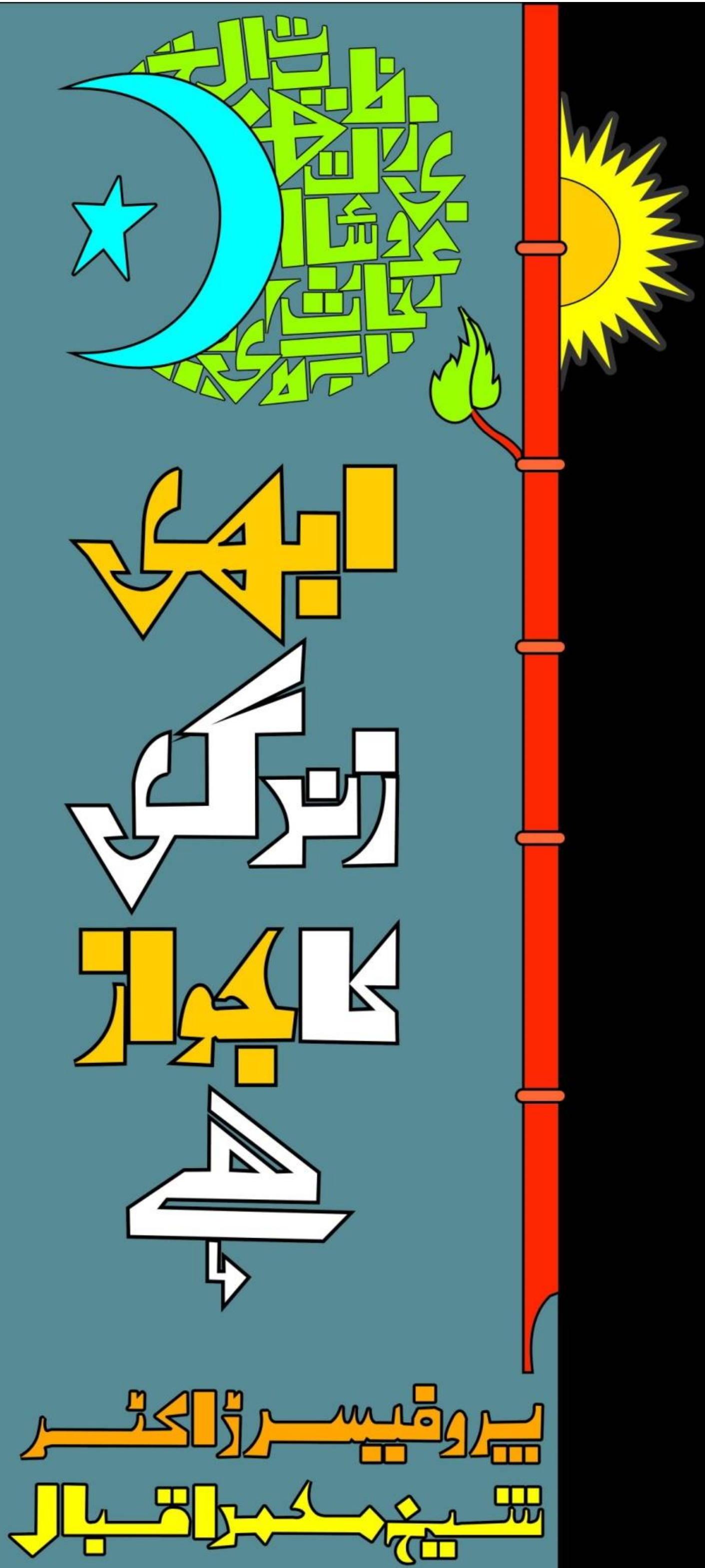


ابھی زندگی کا جواز ہے

پروفیسر ڈاکٹر
شیخ محمد اقبال

ابھی زندگی کا جواز ہے

پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال

ایم۔اے انگلش، ایم۔اے اردو
ایم فل (گولڈ میڈلسٹ)، پی ایچ۔ڈی

کتاب کا نام:	ابھی زندگی کا جواز ہے
شاعر:	پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال
تعداد:	1000
کمپوزنگ:	تنویر احمد
سرورق:	اسلم کمال
طابع:	ثنائی پریس سرگودہا
ناشر:	پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال
اشاعت:	2017ء
قیمت:	-/300روپے

ملنے کا پتہ:

131۔رحمت پارک یونیورسٹی روڈ سرگودہا

فون: 03004489399, 048-3226686

email. iqbalsheikh68@yahoo.com

شاہد بخاری (ایڈووکیٹ)

D-651 فیصل ٹاؤن لاہور

042-35161149, 03004855148

انتساب

اپنے گلستانِ زندگی کے نودمیدہ پھول اور کلیوں

(شایان تابش، عمار تابش، شجان اختر،

سبحان تابش، زینب ملک اور لائبہ ملک)

کے نام

اللہ تعالیٰ ان کی عمریں دراز کرے

اور وہ زندگی میں اپنا بھرپور کردار ادا کرسکیں (آمین)

مجھے جتنے ملے میڈل تمہاری نذر ہیں جاناں
مجھے جتنی ملی شہرت تمہارے نام لکھ دی ہے
تمہارے نام سے ہے نام میرا، نام والوں میں
تمہارے نام ہر اک صبح اور ہر شام لکھ دی ہے

فہرست

حرفِ سپاس

''اُس کے نام'' کی اشاعت کے بعد کچھ یوں لگا تھا کہ میں نے بہت کچھ کہہ لیا ہے انگریزی شعری مجموعے ''Love's no crime'' اور پنجابی شعری مجموعے ''نہ عشق نوں لیکاں لائیں'' کے علاوہ ''ابھی زندگی کا جواز ہے'' میرا اردو کا ساتواں شعری مجموعہ ہے۔ میں کیا کروں کہ شعر ہوتے رہتے ہیں، ہوتے چلے جاتے ہیں، کبھی نہیں بھی ہوتے اور کبھی بہت ہونے لگتے ہیں۔ ہونے نہ ہونے کے معاملے میں بہت سے شعراء کی طرح میں کچھ بے بس سا ہوں مگر یہ بے بسی تخلیقی عمل کی غماز متصور ہوتی ہے، کوشش اور کاوش سے کہے گئے اشعار بظاہر اشعار ہوں لیکن دراصل اچھا شعر وہی ہوتا ہے جو شاعر کی محض شعوری کاوش کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ شعور اور لاشعور دونوں کی پیداوار ہوتا ہے۔ بحرکیف تازہ مجموعہ ''ابھی زندگی کا جواز ہے'' آپ کی نذر ہے۔ اس مجموعے کا عنوان میری ایک غزل کی ردیف سے ماخوذ ہے، یہ غزل میرے شعری مجموعے ''یہ کافر دل نہیں مانا'' میں شامل تھی جہاں جہاں اور جب جب اس غزل کو پڑھا گیا بڑی داد ملی بالخصوص یونیورسٹی آف سرگودھا کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر اکرم چودھری صاحب اسے بہت پسند کرتے رہے ہیں چنانچہ ان کی پسندیدگی کو بھی یہ مجموعہ خراجِ تحسین ہے۔ اس مجموعے کی اشاعت میں بہت سے احباب کا بھرپور تعاون حاصل رہا ہے۔ جب میں شاہد بخاری (ایڈووکیٹ) سے ممنونیت کا اظہار کرتا ہوں تو لفظ جواب دے جاتے ہیں، یہی کافی ہے کہ میں اپنے احباب کے لئے اظہارِ تشکر میں سب سے پہلے ان کا ممنون اور شکر گزار ہوں۔ رُوحی کنجاہی صاحب نے بھی

اس مجموعے کو پڑھا اور مجھے مفید مشورے دیئے۔ میں محترم ڈاکٹر احسان اکبر، محترم نسیمِ سحر کا بالخصوص شکر گزار ہوں کہ انہوں نے نہ صرف اپنی گراں قدر آراء سے نوازا بلکہ مفید مشورے بھی دیئے۔ میں سپاس گزار ہوں محترم انعام الحق جاوید، محترم ڈاکٹر فخر الحق نوری اور محترم پروفیسر صدیق مسیح کا بھی کہ جنہوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود وقت نکالا اور اپنی بیش قیمت آراء سے نواز کر شعری مجموعے کی قدر و قیمت میں اضافہ کیا۔ دراصل میرے شعری سفر میں بہت سے ہم سفر بھی ہیں جن کی محبتیں مجھے ہمیشہ حاصل رہتی ہیں ان میں عبدالباسط سہیل (ایڈووکیٹ)، سعید احمد بودلہ، ڈاکٹر احمد حسن چودھری، لیفٹیننٹ (ر) خادم حسین سندھو، میاں عبدالخالق، شاکر کنڈان، اخلاق عاطف اور نسیم اقبال بھٹی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ لیکن وہ احباب جن کے بغیر کسی طور میری کتب کی اشاعت ممکن ہی نہیں ہو سکتی اور جن کی عرق ریزی قابلِ صد تحسین ہے۔ ان میں جناب سید نسیم الغنی، پروفیسر شاہد اسلام دانش اور تنویر احمد شامل ہیں۔ میں خاص طور پر سپاس گزار ہوں جناب اسلم کمال کا جنہوں نے میری بہت سی کتب کے سرورق عنایت کئے۔ ان کی محبت مجھے ہمیشہ حاصل رہی ہے۔ اس موقع پر اگر میں اپنے ہمدمِ دیرینہ اکبر چودھری صاحب کا ذکر نہ کروں تو بات نہیں بنے گی جنہوں نے میرے پہلے شعری مجموعے کی اشاعت کے لئے تحریک دی تھی اور کہا تھا کہ میں شعر کہتا رہوں اور نذرِ قارئین کرتا رہوں۔

پروفیسر ڈاکٹر شیخ اقبال

یکم جولائی 2017ء

تمہید

(ابھی زندگی کا جواز ہے)

زندگی اور زندگی کے حوالے سے انسانی فکر اضداد پر مبنی ہے۔ خیر کے ساتھ شر، خوشی کے ساتھ غم اور اُمید کے ساتھ یاس کا احساس جڑا ہوا ہے۔ اسی سے رجائیت اور قنوطیت کے فکری دھارے پھوٹتے ہیں۔ خواجہ میر درد نے بجا فرمایا تھا:

دلِ صد چاک ہے گلِ خنداں
شادی و غم جہاں میں باہم ہیں

اس حقیقت سے آگاہی زندگی گزارنے کا حوصلہ عطا کرتی ہے اور انسان شکست خوردگی کے اس احساس سے باہر نکل آتا ہے جس کا اظہار ذیل کے شعر میں ہوا ہے:

عشق میں جان سے گزر جائیں
اب یہی جی میں ہے کہ مر جائیں

اور اسے عزم و حوصلہ کا وہ جذبہ طاقت عطا کر دیتا ہے جس کی طرف غالب نے یوں توجہ دلائی ہے:

تاب لاوے ہی بنے گی غالبؔ
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

"ابھی زندگی کا جواز ہے" کے خالق ڈاکٹر شیخ محمد اقبال بھی اسی نقطۂ نظر کے حامل ہیں۔ اس وقت ان کا مذکورہ مجموعۂ کلام میرے پیشِ نظر ہے۔ اس میں چند نظمیں اور دو ایک قطعات بھی شامل ہیں تاہم بنیادی طور پر یہ مجموعۂ غزلیات ہے۔ غزل

روایتی طور پر تو حسن و عشق کی شاعری ہے مگر عہد بہ عہد اس نے اپنے دامن میں سیاسی و سماجی اور نفسیاتی و معاشی، ہر طرح کے موضوعات کو سمولیا ہے۔ یہ موضوعات انفرادی و اجتماعی اور قومی و بین الاقوامی حوالوں سے غزل کا حصّہ بنے ہیں۔ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایک صاحبِ علم شاعر ہیں۔ ان کا مطالعہ خاصہ وسیع ہے۔ وہ اردو ادب ہی کے نہیں، انگریزی ادب کے بھی قاری ہیں۔ اسی طرح وہ ذاتی جذبات و احساسات سے عاری نہ ہونے کے باوجود مقامی سے عالمی سطح تک پھیلتے ہوئے انسانی منظر نامے پر بھی نگاہ رکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کا دائرۂ خیال اپنے اندر قابلِ لحاظ پھیلاؤ رکھتا ہے۔ وہ گرد و پیش کے مسائل کو محسوس کرتے ہیں۔ انھیں احساس ہے کہ زندگی مجبوریوں سے بھری پڑی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

کچھ مری کچھ آپ کی مجبوریاں
سچ تو یہ ہے زندگی مجبوریاں

اور کبھی کبھی تو انھیں یہ دنیا ایک جہنم محسوس ہوتی ہے اور وہ اس کے خالق سے مخاطب ہو کر یوں گویا ہوتے ہیں:

اک جہنم ہے یہ جہاں سائیں
اور مری جانِ ناتواں سائیں
دم نکلتا ہے اب مکاں میں مرا
ہے کہاں تیرا لامکاں سائیں

غم و اندوہ کا یہ احساس اس وقت اور بھی تکلیف دہ ہو جاتا ہے جب انسانوں کے جمِ غفیر میں ایسے انسان دکھائی نہ دیں جو احساسِ مروت کی دولت سے مالا مال

ہوں اور صحیح معنوں میں خلیفۃ اللہ فی الارض کہلانے کے مستحق ہوں۔ انھیں انسانوں کے روپ میں زیادہ تر بے حس پتھر ہی دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس اندیشے میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ کہیں وہ خود بھی پتھر نہ بن جائیں۔ کہتے ہیں:

جانے کیسے آ بسا ہوں پتھروں کے شہر میں
آدمی کو ڈھونڈتا ہوں پتھروں کے شہر میں
پتھروں کے شہر میں پتھر نہ بن جاؤں کہیں
جانے کیا کیا سوچتا ہوں پتھروں کے شہر میں

انھیں یہ مسائل صرف اپنے شہر ہی میں نہیں بلکہ پورے عالمی گاؤں (Global Village) میں دکھائی دیتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کی وہ غزل خاصی خیال افروز ہے جس کی ردیف "عالمی گاؤں" ہے:

آگ شعلہ فشاں ہے چاروں طرف
اور جلتا ہے عالمی گاؤں
کھوکھلے قہقہے سجائے ہوئے
دل شکستہ ہے عالمی گاؤں

لیکن یہ سب حقائق انھیں کسی مستقل یاسیت و قنوطیت میں مبتلا نہیں کر پاتے۔ وہ کسی نہ کسی صورت میں زندہ رہنے کا جواز ڈھونڈ ہی لیتے ہیں۔ مثلاً وہ حیاتِ انسانی کو سنوارنے میں ہی زندگی کا جواز تلاش کرتے ہیں:

زندگانی کا کچھ جواز تو ہو
زلفِ گیتی سنوارتے رہنا

قرض لاکھوں ہیں پچھلی نسلوں کے
جتنے اتریں اتارتے رہنا

اس سے ان کے عزم وحوصلہ کو قوت ملتی ہے اور وہ اس فانی دنیا کو بھی اپنے عمل سے جاودانی عطا کرنے پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں:

جاوداں اس کو کر کے چھوڑوں گا
زندگی گرچہ چار دن کی ہے

یہ دنیا اب پرانی ہو گئی ہے
نئی دنیا بسانا زندگی ہے

کہیں کہیں وہ علامتی پیرائے میں بھی اظہار کرتے ہیں:

مجھے موجوں میں جینا آ گیا ہے
سمندر پار اک دیوانگی ہے

زندگی کے ساتھ ان کا لگاؤ ہی زندگی کا جواز بن جاتا ہے۔اس ضمن میں ان کا نقطۂ نظر اس غزل میں کھُل کر سامنے آیا ہے جس کی ردیف "ابھی زندگی کا جواز ہے" زیرِ نظر مجموعے کا بھی سرنامہ بنی ہے۔اس مرصّع اور فکر انگیز غزل کا کوئی شعر بھی نظر انداز کرنے کے لائق نہیں، تاہم یہاں چند شعروں کے اندراج پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے:

ابھی جاں نواز ہیں مشکلیں، ابھی زندگی کا جواز ہے
ابھی چارہ ساز ہیں کلفتیں، ابھی زندگی کا جواز ہے

کئی پھول ہیں جو کھِلے نہیں، کئی خار ہیں جو چبھے نہیں
ابھی دل میں کتنی ہیں خواہشیں، ابھی زندگی کا جواز ہے

مرا انتظار کسی کو ہے ، مجھے انتظار کسی کا ہے
کئی آہٹیں ، کئی دستکیں ، ابھی زندگی کا جواز ہے

کبھی تیری زلف کی یاد ہے، کبھی تیرے لب کے ہیں تذکرے
ابھی ہو رہی ہیں عبادتیں ، ابھی زندگی کا جواز ہے

مرے دل میں آس کا چاند ہے، شبِ تار ہے تو ہوا کرے
ابھی ٹمٹماتی ہیں کوششیں ، ابھی زندگی کا جواز ہے

رہِ شوق میں مری ہم سفر، کبھی صبح ہے کبھی شام ہے
کبھی قربتیں کبھی ہجرتیں ، ابھی زندگی کا جواز ہے

بحیثیتِ مجموعی ڈاکٹر محمد اقبال کی شاعری زندگی سے مایوس نہیں کرتی بلکہ زندگی کے قریب لاتی ہے۔جہاں تک فن اور اسلوب کا تعلق ہے، اس حوالے سے بھی ان کی غزلیں قابلِ لحاظ ہیں۔وہ جو کہنا چاہتے ہیں اس میں کامیاب رہتے ہیں۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کا لب ولہجہ منجھتا چلا جائے گا۔ظاہر ہے کہ قدرت نے جو کچھ ودیعت کیا ہوتا ہے، ریاضت اس میں نکھار پیدا کر دیتی ہے۔ میں

"ابھی زندگی کا جواز ہے" کا کھلے بازوؤں سے استقبال کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ان کا یہ مجموعۂ کلام ادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل کرے گا اور میں اُمید کرتا ہوں کہ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کا فنی سفر بلندیوں کی طرف جاری و ساری رہے گا۔ میں اُن کی توفیقات میں اضافے کے لیے دُعا گو ہوں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری
ڈین کلیۂ علومِ شرقیہ اپرنسپل اورینٹل کالج
پنجاب یونیورسٹی، لاہور

اپنا آپ جواز۔۔۔ڈاکٹر شیخ محمد اقبال

کچھ حقیقت ہوں کچھ فسانہ ہوں
میں ہوں دونوں کے درمیاں کچھ اور

پروفیسر ڈاکٹر شیخ اقبال نے ابھی زندگی کے پائیدان پر ہی قدم رکھا تھا کہ بینائی سے محروم ہو گئے۔ "زمانہ باتو نسازد ، تو با زمانہ ستیز" پر یقین تھا سو تن بہ تقدیر ہو کے نہیں رہ گئے۔ قدم بڑھاتے رہے، بصارت سے محروم لوگوں میں وہ پہلے ایم فل اور پہلے پی ایچ ڈی ہوئے۔ بصارت سے محروموں کی مدد کے ناتے ملکی سطح کی تنظیموں کی مرکزی روح بنے۔ نثر اور شاعری میں ان کی تصنیفات کی تعداد اُنیس تک پہنچی ہے، شخصیات اور ان کے فن و ہنر پر لکھے گئے انکے مقالات کی تعداد ایک سو ہو گی۔ مطلب یہ کہ بصارت سے کم نصیبی کو اپنی بد نصیبی نہیں مان لیا بلکہ ہمت و جرأت سے پڑھتے چلے گئے، بڑھتے چلے گئے۔

ڈاکٹر صاحب کی شخصیت اور شاعری پر ایم اے کی سطح کا تحقیقی مقالہ بھی یونیورسٹی نے لکھوایا "شیخ اقبال نمبر" بھی کئی رسالوں نے نکالے، خود ان کی ذات کتاب کا موضوع بنی، ان کی نعتوں، نظموں کو نعت و منظومات کے انتخابوں میں جگہ ملی۔ خود حمد و نعت کا مجموعہ "تلاوتِ دل" کے نام سے لا چکے ہیں، عام شعر کے کئی مجموعے اس کے علاوہ، اسی طرح کتبِ نثر اور خود نوشت۔ انہوں نے خود بھی سرگودہا میں قیام کرنا پسند کیا اور اہلِ سرگودہا نے بھی ان کے وجود کو ایک دولت جانا۔ آج تو سرگودہا کا دوسرا نام شیخ محمد اقبال کا نام ہے۔ پروف راک پر ان کی نظم چغلی کھاتی ہے کہ انہوں نے ایلیٹ کا بھی مطالعہ کیا اور اسے چاہا ہے۔ ڈاکٹر شیخ اقبال نے انگریزی اردو دونوں زبانوں کے عظیم شعراء سے اثر لیا ہے۔ جون

ڈن، شیلے، کیٹس، بائرن، ملٹن اور شیکسپیئر کے ساتھ، میر، غالب اور اقبال سے بھی فیض پایا۔ شاعری کبھی سخن کا پردہ بھی بن جاتی ہے مگر شیخ محمد اقبال کو شاعری اظہارِ ذات کے لئے درکار تھی۔

یہ سعادت ہمیں نہیں منظور
دل کہے کچھ، کہے زباں کچھ اور

شاعری کے تعارف کا سرِ آغاز شاعر کا کلام کیوں نہ ہو۔ پہلی بات ان کے تصورِ شعر کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ شاعری محبوب کا ذکر کرنے کا نام ہے۔ اب غزلیہ اشعار کی بہار دیکھئے۔

شاعری تو فقط اک بہانہ سا ہے
ذکر ہے آپ کا، بات ہے آپ کی
آپ نے ہم کو جانے کیا سمجھا
ہم نے ہر سانس آپ کا جانا
میں نے چاہا تھا تیرے ساتھ چلوں
تو بہت تیز زمانے! نکلا
جتنے سجدے ہیں سب لٹا دوں گا
اس کی چوکھٹ تو پاس آنے دے
داستاں اور ہے کتابوں میں
تم سناتے ہو داستاں کچھ اور
اس میں صدیوں کا دل دھڑکتا ہے
یہ غزل آج کی نہیں لگتی

محبت جو بقائے زندگی تھی
تلاشِ آب و دانہ بن گئی ہے
ترے دل میں خوف ہی خوف ہے
ترے دل میں خوفِ خدا نہیں

ان کی نظم دیکھئے

پیار کرنے نکلا تھا
نفرتوں کی گلیوں میں
پیار بانٹ آیا ہوں
عمر کاٹ آیا ہوں

شیخ محمد اقبال کی یہ شاعری شعر کے اس مقام سے بے خبر بھی نہیں جہاں شعر و دانش باہم مل جاتے ہیں انہوں نے دنیا کو دیکھ رکھا ہے۔

ہنر والے تہی داماں تہی دست
ہنر لاکھوں ہیں دستِ بے ہنر میں

یہ مشاہدہ تجربہ سے بھی ممکن ہے مگر لگتا ہے جیسے وہ ادراکِ حسن کا تجربہ بھی مشاہداتی سطح پر کر لیتے ہیں نظم دیکھئے۔ جس کا عنوان ہے "حسیں مناظر"

حسیں مناظر ہر ایک رُت میں
خوشی کے ضامن سکوں کے مخزن
غموں سے اٹھکیلیاں سکھائیں
وفا کے چاہت کے گیت گائیں
ہمیں وہ جینے کا گُر سکھائیں

ہمیں ہنسائیں تمھیں ہنسائیں

یہ تیرگی میں دیئے جلائیں

یہ روشنی کے علم اٹھائیں

حسیں مناظر ہیں میرا ایماں

حسیں مناظر ہیں دین میرا

وہ خود حسیں ہے کہ جس نے میری تری نظر کو

یہ حسن بخشا جمال بخشا

ان کی غزل جس کا مطلع ہے

آج بھی مشعل جلی ہے آپ کی چاروں طرف

روشنی ہی روشنی ہے، آپ کی چاروں طرف

محبوب کے منور اور روشن سراپا کی تصویروں سے مرصع ہے۔ مجھے خیال آتا ہے ستر کی دہائی کے اس لافانی گیت کا جس میں نابینا مغنیہ حسن کو تصور میں دیکھتی ہے تو اسے حقیقت سے کہیں زیادہ اپنے نزدیک محسوس ہوتا ہے۔ سو وہ ''اکھیوں کے جھروکے سے'' دیکھنے کو اتنا اہم نہیں جانتی کہ خوابوں کے جھروکے سے جھانکتی ہے تو من کے اندر اسے ''وہی وہ'' براجمان نظر آجاتے ہیں۔ سوال ہے کہ پھر یہ آنکھیں کیا ہیں؟ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں ہم مشاعروں کے مقبول شعراء میں ایک نام حافظ انصر لدھیانوی کا بھی پاتے تھے۔ پہلے زمانوں کے نابیناؤں کی طرح حافظ صاحب بھی حافظِ قرآن تھے۔ شعر غضب کا کہتے۔ ان کا ایک شعر دیدار کے بارے میں مثالی ہے۔ کہتے ہیں

اک دکھاوے کی نظر صرف مرے پاس نہیں

یہ غلط ہے کہ مجھے حسن کا احساس نہیں

سوال وہی کہ آنکھ کے دیدار کی حیثیت کیا ہے؟ اقبال صاحب کا کہنا ہے

سب تماشا تھا مری آنکھوں کا

میری آنکھوں کے پار کچھ بھی نہ تھا

بعض اشعار جن میں ہمارے شاعر نے اس حوالے سے بات کی ہے بینائی، ذوقِ دیدار، دیدارِ حسن کے ناتے قابلِ مطالعہ لگیں گے۔ دیکھتے چلیے۔

اک قیامت بن گئیں تنہائیاں

بام و در، آنگن مجھے کھانے لگے

نکل کے گھر سے آنکھیں کھل گئی ہیں

بنے بیٹھے تھے دانا اپنے گھر میں

میں نے یہ کب کہا کہ مجھے دیکھتے رہو

مجھ پر تمہاری ایک نظر بے شمار ہے

کاسہ لئے نظر مری پھرتی ہے چار سو

اے مہرِ صبحِ نو! ترے انوار کیا ہوئے

میری آنکھوں کو روشنی وہ ملی

تیرگی میں بھی اُجالا نہ گیا

تمھیں آنکھوں میں جی بھر کے بسا لوں

نظر کا سلسلہ بجھنے لگا ہے

مری آنکھوں کو جس نے روشنی دی

وہ چہرہ چاند سا بجھنے لگا ہے

اجالے کا استعارہ جس طرح ان کے پاس چھپل سکتا ہے وہ ہم آپ سمجھ سکتے ہیں

ان کا شعر ہے

اُجالوں پر وڈیروں کا تسلط
اندھیروں سے نبھانا پڑ رہا ہے

اقبال عظیم صاحب کی نظروں نے بھی نادیدہ نادیدہ سب کچھ دیکھ لیا ہے۔اس ناتے ان کے ہاں معاشرتی مطالعہ بھی بن جاتا ہے سیاسی سماجی صورت بھی سامنے آتی ہے یہ شاعری صرف Introspection نہیں۔شیخ اقبال نے آج کی سیاسی دنیا آج کا عالمی فساد بھی دیکھا ہے "عالمی گاؤں" کی ردیف میں پوری غزل ملے گی شعر دیکھئے:

وہ جو اک بخت کا سکندر ہے
صرف اس کا ہے عالمی گاؤں

اپنے معاشرے پر شاعر کا مشاہدہ اپنا ہے۔

وہ مفلس ہے گواہی کون دے گا
وہ کیسے لُٹ گیا سب جانتے ہیں
شرق اور غرب اک زمین پر ہیں
ہے یہاں اور کچھ، وہاں کچھ اور
نظر کے اس طرف خاک اُڑ رہی ہے
نظر کے پار جانا پڑ رہا ہے

انسان جس حال میں ہے اس کی راوِعمل یہی ہے کہ وہ شکر کرتا رہے، شیخ اقبال صاحب کے ہاں دیکھیں۔

ہر اِک پل شکر ہے ہونٹوں پہ اپنے
ہر اِک پل تازیانہ پڑ رہا ہے

یہ سب اپنی جگہ مگر حقیقت میں تو تلخی اس سے بھی کہیں زیادہ ہے حقیقت یہ ہے کہ زمیں سخت ہے آسماں دور ہے۔شیخ اقبال کے لفظوں میں بات سنیئے۔

کتنی خوش کن تھی میری پیدائش
میں مگر ایک حادثہ نکلا

اب یہ شاعری ایک محروم بصارت کی "لائف" بھی تو ہے۔یہ شعر بھی اسی تناظر میں دیکھئے گا۔

میں نے گِر گِر کے سنبھلنا سیکھا
میں کہیں جب بھی گرا مان لیا
بُرے دن ہیں کوئی کیوں ملنے آئے
مرے گھر کا پتہ سب جانتے ہیں

کتاب میں شامل نظموں میں انکی نظم "مری ساری محبت رائیگاں" یادرہنے والی نظم ہے

کبھی تم جھوٹ ہی کہہ دو
مجھے تم سے محبت ہے
مجھے تم سے محبت ہے
تمہارے جھوٹ پر میں سارے سچ قربان کردوں گا
تمہارے جھوٹ پر میں زندگانی دان کردوں گا

ان کی غزل اس لائف کو بڑی دردمندی سے بیان کردیتی ہے جو انہوں نے گزاری۔

جسم و جاں سے گزرتے رہے عمر بھر
ہم کہ خوابوں پہ مرتے رہے عمر بھر

آخرش اپنی دھرتی پہ پاؤں دھرے
آسماں سے اترتے رہے عمر بھر

مگراس زندگی کا بھی حسن یہ ہے کہ آخراس کا جواز مکمل طور پر سامنے آ گیا۔اس کتاب کا بھی حسن یہ ہے کہ یہ دردمندی سے مملو رہتی مگر کامگاری تک پہنچی

مرا انتظار کسی کو ہے، مجھے انتظار کسی کا ہے
کئی آہٹیں کئی دستکیں، ابھی زندگی کا جواز ہے
کبھی تیری زلف کی یاد ہے، کبھی تیرے لب کے ہیں تذکرے
ابھی ہو رہی ہیں عبادتیں، ابھی زندگی کا جواز ہے

آپ نے اگر یہ سارا تذکرہ پڑھا تو آپ میرے ہمنوا ہو کر کہہ اٹھیں گے کہ اس شاعری کی ضرورت بھی تھی اس کا جواز بھی۔

ڈاکٹر احسان اکبر
اسلام آباد

ابھی زندگی کا جواز ہے

ابھی کچھ عرصہ پہلے مجھے ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کے شعری مجموعے" اُس کے نام" کا دیباچہ لکھنے کا شرف حاصل ہوا تھا اب ان کے تازہ مجموعے"ابھی زندگی کا جواز ہے" پر بھی کچھ لکھنے کا موقع مل رہا ہے تو سب سے پہلے میں اس مجموعے کے نام سے عمدگی اور عمق کا ذکر کرنا چاہتا ہوں ۔اس عنوان میں ایک قابلِ رشک رجائیت ہے اور شاعری کے مجموعے کی مناسبت سے اسے زندگی کے ساتھ ساتھ اگر شاعری کا جواز بھی کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ یہاں اچانک اپنا ہی ایک شعر یاد آ گیا جو شاید اس شعری مجموعے کے عنوان کی معنویت اور گہرائی کی کچھ تشریح کر سکے

ابھی کچھ شاعری باقی ہے مجھ میں
تو گویا زندگی باقی ہے مجھ میں

ڈاکٹر شیخ اقبال کے شعری مجموعے "اس کے نام" پر لکھتے ہوئے میں نے ان کی ہر لحاظ سے مثبت اور مسلسل زود گوئی کا ذکر کیا تھا اور اکے ارتقائی اور تخلیقی سفر پر بھی بات کی تھی ۔اب یہ نیا مجموعہ دیکھ کر مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ اسی تسلسل میں ان کی شاعری پر بات کرنا میرے لئے آسان ہو گیا ہے کیونکہ ان کا آگے کی جانب تخلیقی سفر پہلے کی نسبت بھی کچھ تیزی سے جاری ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر شیخ اقبال کو اگر دنیا کے چند مصروف ترین لوگوں میں سے ایک قرار دیا جائے تو یہ غلط نہ ہو گا ۔مابیناؤں کے لئے ایک بہت بڑا ادارہ چلانا، بے شمار ادبی اور فکری تنظیموں سے وابستگی اور ان کی تقریبات کے انتظامی معاملات میں سرگرمی سے حصہ لینا، بے شمار علمی موضوعات پر لیکچر دینا، یہ تمام اپنی جگہ اور ان کی تخلیقی

زرخیزی کا کمال اپنی جگہ، جو یہ ثابت کرتا ہے کہ جب شاعر پر آمد کا لمحہ طاری ہوتا ہے تو اس کے راستے میں کوئی مصروفیت اور کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہو سکتی۔

اگر کسی شاعر کے تازہ شعری مجموعے اور اس سے پہلے والے مجموعے میں ایک واضح ارتقائی عمل دکھائی نہ دے تو میں سمجھتا ہوں کہ تازہ شعری مجموعے کی اشاعت کا جواز ہی ختم ہو جاتا ہے۔ شیخ محمد اقبال نے اپنے تازہ مجموعے کی مزید توانا، پُر خیال اور نکھری ہوئی شاعری کے ذریعے اس کا جواز فراہم کر دیا ہے۔ بظاہر وہ بے حد آسانی سے شعر کہتے چلے جاتے ہیں، شعر کہنا اور سانس لینا انکے لئے ایک ہی جیسی کیفیت ہے اور ایک ہی جیسا عمل ہے مگر ان کے ہر شعر میں ان کا خون جلتا ہے، تب کہیں ایک مصرعِ تر کی صورت نظر آتی ہے۔ انکی زود گوئی کسی لحاظ سے منفی معنوں میں نہیں ہے۔ وہ مسلسل لکھ رہے ہیں، پہلے سے بہتر لکھ رہے ہیں، زبان و بیان پر تو انہیں شروع ہی سے قدرت حاصل ہے۔ ان کے وسیع مطالعے اور مسلسل غور و فکر کی عادت نے انہیں ایسے ایسے موضوعات پر بھی شعر کہنے کی توفیق دی ہے جس پر عام شاعر سوچتے بھی نہیں۔ ان کی شاعری میں اور خاص طور پر نظموں میں ہمارا واسطہ اس شیخ محمد اقبال سے پڑتا ہے جو محض علامہ اقبال سے نہیں بلکہ دنیا کے بہت سے دیگر دانشوروں، فلسفیوں اور شاعروں کا مطالعہ کر چکا ہے اور یوں اپنے فکری و تخلیقی کینوس میں بے کرانی کی حدوں کو چھوتا ہوا پھیلاؤ پیدا کر چکا ہے۔ یہاں اگر میں ان کی کتاب میں شامل ایک نظم "خراجِ عقیدت" پوری کی پوری پیش نہ کروں تو ان کے علمی و فکری پھیلاؤ، انکے عمیق مطالعے اور ان کی فلسفیانہ جہات کے بارے میں میری بات کا ابلاغ شاید نہ ہو پائے۔

جون ڈن نے یہ آشکار کیا
عاشقی روح بھی، بدن بھی ہے

پی۔ بی شیلی نے پیار کی قندیل
میرے قلب و نظر میں روشن کی
کیٹس سے میری شاخِ ہستی پر
حسنِ جاں بخش کے گلاب کھلے
بائرن نے عمل کی قوت دی
اور ملٹن نے روحِ جوش و خروش
شیکسپیئر نے میرے ہاتھوں میں
زندگی کی کتاب دے ڈالی
میر و غالب نے جامِ جم بخشا
اور اقبال نے خودی دے کر
مجھ کو بے خود بنا کے چھوڑ دیا

اور یہ سب محض ان بڑے لکھنے والوں کا نام لینے اور خراجِ عقیدت پیش کرنے کی بات نہیں ہے، ڈاکٹر شیخ اقبال کے بہت سے مضامین میں بھی اور ان کی شاعری کی کئی جہات میں بھی اس فلسفے اور اس سوچ کا پرتو ملتا ہے۔ اس نظم کے ایک ایک مصرعے میں انہوں نے نہایت کامیابی سے ان اکابرین کی روح اور فلسفے کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ نظم کے اختتام پر خودی حاصل ہونے پر بے خود ہو جانا ایک ایسی عجیب و غریب کیفیت ہے جسے بیان کرنا کسی کسی کا کام ہے۔ تاہم ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کی پوری شاعری ان کے اپنے تخلیقی اور علمی سرمائے کا نچوڑ ہے۔ کہیں بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ انکی شاعری میں کیٹس، شیلی، جون ڈن، بائرن، ملٹن، شیکسپیئر یا علامہ اقبال مخاطب ہیں۔

عصری شعور کسی شاعر کی شاعری میں نہ ہو تو پھر اس کی شاعری کو متروک یا منسوخ

کرنے کو جی چاہتا ہے۔شیخ محمد اقبال کے ان اشعار میں جس عصری کرب کا اظہار ہے وہ محسوس کرنے کے قابل ہے۔

چیخ لو جس قدر بھی چیخ سکو
کس کی سنتا ہے عالمی گاؤں

شہر کا جب بھی لگا دم گھٹنے
دشت میں جان بچانے نکلا

ظلم جو آگہی نے ڈھائے ہیں
جہل بھی ظلم وہ نہیں ڈھاتا

چنانچہ ان کی غزل روایت اور جدت کا اور داخلیت اور خارجیت کا ایک خوبصورت امتزاج لگتی ہے اسی لئے ان کا یہ شعر مجھے انکے فن کا حقیقی ترجمان محسوس ہوتا ہے۔

اس میں صدیوں کا دل دھڑکتا ہے
یہ غزل آج کی نہیں لگتی

نت نئے اور اچھوتے قافیوں اور ردیفوں کے ساتھ نئے شعر کہنے اور تازہ کاری کی مثال قائم کرنے میں ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کا جواب نہیں۔ایک شعر میں ان کے تیور دیکھیے۔

جاوداں کر کے اس کو چھوڑوں گا
زندگی گرچہ چار دن کی ہے

ان کے ہاں جدائی اور ہجر و فراق کی گوناگوں کیفیات بھی بہت بیان ہوئی ہیں۔ جب وہ اپنی غزل میں کہتے ہیں کہ ابھی زندگی کا جواز ہے تو وہ نہ صرف اپنی بھرپور عملی اور تخلیقی زندگی کا جواز دے رہے ہوتے ہیں بلکہ اپنی کچھ نایدہ حسرتوں کی داد بھی طلب کر رہے ہوتے ہیں۔

کئی پھول ہیں جو کھلے نہیں،کئی خار ہیں جو چبھے نہیں
ابھی دل میں کتنی ہیں خواہشیں،ابھی زندگی کا جواز ہے
کبھی تیری زلف کی یاد ہے،کبھی تیرے لب کے ہیں تذکرے
ابھی ہو رہی ہیں عبادتیں، ابھی زندگی کا جواز ہے

اس پوری غزل میں زندگی کے جواز کے حوالے سے بہت سی باتیں اور کیفیات قلم بند کی گئی ہیں جن میں حسرتیں بھی ہیں،محرومیاں بھی ہیں، عشق اور قرب بھی ہے اور فراق بھی ہے۔

ان کا شعری اظہار برائے شعر تک محدود نہیں ہے،ان کے پاس ابھی کہنے کو بہت کچھ ہے،اور وہ یہ خزینہ قرطاس کے سپرد کر کے اپنا فرض ادا کر رہے ہیں،انہیں شہرت سے اب کوئی غرض نہیں کہ وہ جس قدر مشہور ہو چکے ہو چکے،اپنے مسلسل تخلیقی اظہار سے ان کا مقصد ادب کو مالا مال کرنا اور نئی نسل کو پیغام دینا ہے اور اس پیغام کی ایک اہم ترجہت یہ بھی ہے کہ جس طرح بصارت سے محرومی کو انہوں نے محرومی نہیں بنایا بلکہ ایک جہد وجہد اور مسلسل کاوش کا عنوان بنایا ہے اسی طرح دیگر لوگوں کو بھی اپنی کمزوری کو اپنی طاقت بنالینا چاہیے،کس خوبصورتی سے اپنی ایک محرومی کا ذکر کیا ہے،ایک ایسی محرومی جس کے عوض اللہ نے انہیں بہت کچھ دے کر اس کا ازالہ کر دیا ہے کہ اب عام بینائی رکھنے والوں کی بینائی تو تیرگی میں کام نہیں آتی مگر ان کی آتی ہے۔

میری آنکھوں کو روشنی وہ ملی
تیرگی میں بھی اُجالا نہ گیا

اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کی شاعری دن بہ دن مزید جوان ہو رہی ہے، ان کا دل اور ان کا ذہن کسی ناتوانی کا شکار نہیں ہوا نہ ہی ان کا قلم تھکن کا شکار نظر آتا ہے۔ ان کی فکری وسعت پر علامہ اقبال کا وہ مصرع منطبق ہوتا ہے ''کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون'' اس حوالے سے ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

مرا گماں ہے کہ مجھ میں کوئی کمی سی ہے
مرے خدا مجھے اک بار پھر بنا دو نا!

ڈاکٹر شیخ اقبال کی شاعری پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر ان کی کتاب پر یہ مضمون میں یہیں ختم کرتا ہوں کہ بقول ان کے ''ابھی زندگی کا جواز ہے'' تو اس میں یقیناً ابھی مزید شاعری کا جواز بھی ہے۔ چنانچہ کچھ آئندہ کے لئے چھوڑتے ہوئے انہی کا ایک شعر ان کی نذر کرتا ہوں:

ابھی باقی ہے خوئے دل نوازی
جوانی ہے ابھی بوڑھے شجر میں

نسیم سحر
راولپنڈی

زندگی کے جواز کا متلاشی فن کار

زندگی مکاں اور لامکاں سے ماوراء ایک ایسی اکائی ہے جس کے ہونے اور نہ ہونے کا جواز ہی دراصل زندگی کی اصل حقیقت ہے، ایک سچا فنکار اس اکائی کی ماورائی کیفیت میں جذبات کے ایسے انوکھے سانچے وضع کرتا ہے جو اس کے انفرادی اور اجتماعی طور پر پورے معاشرے کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کا مجموعہ ''ابھی زندگی کا جواز ہے'' بھی ایسے آئینوں سے مرصع دکھائی دیتا ہے۔

اگرچہ محسوسات کی سطح پر شاعری کو ایک ناتمام سچائی تصور کیا جاتا ہے جو بعض حالتوں میں پیراڈوکس سے بڑھ کر کچھ نہیں، اسلئے کہ اس دھندلے عکس کے زیرِ اثر نہ تو کوئی پورا سچ لکھ سکتا ہے اور نہ ہی مکمل دکھ بانٹنے کی سعی کر سکتا ہے مگر اقبال صاحب جیسا ہنرمند فنکار اور حساس شاعر ان سے نئے معنی تراشنے کا کام ضرور لے لیتا ہے چند نمونے ملاحظہ کیجئے:

اس میں صدیوں کا دل دھڑکتا ہے
یہ غزل آج کی نہیں لگتی

ہاتھ سے خود ہی لکھا اور اسے
ہم نے قسمت کا لکھا مان لیا

تم فقط جیتنے کی دھن میں ہو
زندگی جیت ہار ہے یارو!

''ابھی زندگی کا جواز ہے'' میں موجود غزلیات اور نظمیں اقبال صاحب کے پُر زم

سے عام خیال کی صورت گزرنے والے وہ مناظر ہیں جنہوں نے نت نئے رنگوں میں تقسیم ہو کر عہدِ حاضرہ کے انسان کے مجموعی کرب کی عکاسی کی ہے۔

رقص کٹھ پتلیوں کا جاری ہے
کیا تماشا ہے عالمی گاؤں
چیخ لو جس قدر بھی چیخ سکو
کس کی سنتا ہے عالمی گاؤں
داستاں اور ہے کتابوں میں
تم سناتے ہو داستاں کچھ اور

جب غمِ روزگار کے دکھ سمیٹتے رشتے مختلف شکلیں اختیار کر لیتے ہیں تو انسان کے اندر خالی پن کا احساس اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ وہ تحفظ فراہم کرنے والے رشتوں کے دائرے میں بھی عدم تحفظ کا شکار محسوس کرتا ہے اور انسان کے اندر کا ادھورا پن اسے معاشی تحفظ میں سکون کی تلاش پر مجبور کر دیتا ہے۔ نظم ''پہلی تاریخ'' سے یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے:

کرایہ ہے مکاں کا اور کتنے بل ہیں ہم کو جو ادا کرنے ہیں
کنول کل کہہ رہی تھی کچھ کتابیں اس کو لینی ہیں
تمہارا سوٹ بھی کتنا پرانا ہو گیا ہے میری ساڑھی بھی
نہ جانے کتنے اخراجات پورے ماہ کرنے ہیں
یہ تنخواہ لے کر آئے ہو!

پروفیسر صدیق مسیح
صدر شعبہ اردو
ایف سی یونیورسٹی کالج لاہور

O

اک جہنم ہے یہ جہاں سائیں!
اور مری جانِ ناتواں سائیں!

کیا کروں محشرِ عذاب میں ہوں
لوگ بوڑھے ہیں میں جواں سائیں!

میرے ہونے کے صاف منکر ہیں
یہ زمیں اور آسماں سائیں!

دم نکلتا ہے اب مکاں میں مرا
ہے کہاں تیرا لامکاں سائیں!

خاک لکھوں گا یاد کچھ بھی نہیں
چھوڑ اب میرا امتحاں سائیں!

تو بھی ہے مجھ سے بد گماں شاید
میں بھی ہوں خود سے بد گماں سائیں!

راز دانوں پہ اعتبار نہیں
تُو ہی میرا ہے راز داں سائیں!

ذہن پر سوچنا حرام ہوا
ہے مقفّل مری زباں سائیں!

☆

جاوداں اس کو کر کے چھوڑوں گا
زندگی گرچہ چار دن کی ہے

O

کچھ مری کچھ آپ کی مجبوریاں
سچ تو یہ ہے زندگی مجبوریاں

کون چاہے گا کہ تج دے زندگی
دل لگی دل کی لگی مجبوریاں

رات دن پھندے میں ہیں اک جبر کے
تیرگی اور روشنی مجبوریاں

آپ کا حق میری مجبوری بنی
میرا حق ہے آپ کی مجبوریاں

لاکھ آزادی کا ہم دعویٰ کریں
زندگانی بے بسی مجبوریاں

کون مرنا چاہتا ہے جانِ من
کر لی ہم نے خودکشی، مجبوریاں

کچھ نہ کچھ ہم بھی زمانہ ساز ہیں
یہ ہنسی اور یہ خوشی مجبوریاں

☆☆☆

☆

جانے کیسے آ بسا ہوں پتھروں کے شہر میں
آدمی کو ڈھونڈتا ہوں پتھروں کے شہر میں
پتھروں کے شہر میں پتھر نہ بن جاؤں کہیں
جانے کیا کیا سوچتا ہوں پتھروں کے شہر میں

O

مجھے دل کی لگی مہنگی پڑی ہے
مجھے یہ خودکشی مہنگی پڑی ہے

میں خوفِ مرگ سے مرتا رہا ہوں
مجھے یہ زندگی مہنگی پڑی ہے

مرے اعصاب پر شب خون مارا
مجھے یہ روشنی مہنگی پڑی ہے

پڑے سر پر کبھی سینے پہ پتھر
نظر کی سرکشی مہنگی پڑی ہے

میں سہل انگار ہو کر رہ گیا ہوں
سخاوت بخت کی مہنگی پڑی ہے

مرا دل اور میری جاں کا دشمن
مجھے تو دل لگی مہنگی پڑی ہے

میں جھوٹے شہر میں سچ بول بیٹھا
زباں کی خود سری مہنگی پڑی ہے

فشارِخون بڑھتا جا رہا ہے
متاعِ آگہی مہنگی پڑی ہے

☆

لٹ گئی عمر ساری خوابوں میں
میں سدا خواب دیکھتا ہی رہا
خواب نوچے گئے نہ آنکھوں سے
ہر نیا خواب دیکھتا ہی رہا

o

تیرے انکار سے بات بنتی نہیں
میرے اصرار سے بات بنتی نہیں

اب مجھے سینکڑوں پیار درکار ہیں
اک ترے پیار سے بات بنتی نہیں

جیت اور ہار ہے عارضہ ذہن کا
جیت اور ہار سے بات بنتی نہیں

زلف و رخسار بھی کیا قیامت ہیں پر
زلف و رخسار سے بات بنتی نہیں

کوششوں کے لئے منزلیں چاہئیں
سعی بے کار سے بات بنتی نہیں

دل میں دستار کی لاج کا پاس ہو
سر پہ دستار سے بات بنتی نہیں

ذہنِ فنکار میں اک الاؤ جلے
ورنہ فنکار سے بات بنتی نہیں

☆

کوئی میرا تماشہ دیکھتا ہے
کوئی تیرا تماشہ دیکھتا ہے
مگر اقبالؔ ایسا شخص دیکھا!
کہ جو اپنا تماشہ دیکھتا ہے

O

جو لکھا ہے مٹانا پڑ رہا ہے
کتابوں کو جلانا پڑ رہا ہے

نئی سڑکیں نئے پُل بن رہے ہیں
ہمیں گاؤں گرانا پڑ رہا ہے

اجالوں پر وڈیروں کا تسلط
اندھیروں سے نبھانا پڑ رہا ہے

عجب مجبوریاں لاچاریاں ہیں
غموں میں مسکرانا پڑ رہا ہے

ہر اک پل شکر ہے ہونٹوں پہ اپنے
ہر اک پل تازیانہ پڑ رہا ہے

ہماری پاک دھرتی جل رہی ہے
"ہے سب اچھا" بتانا پڑ رہا ہے

نظر کے اس طرف خاک اڑ رہی ہے
نظر کے پار جانا پڑ رہا ہے

☆

بے یقینی کا سمندر درمیانِ جام و لب
اے مرے بے تاب دل، بے تاب ہونا چھوڑ دے

O

فکر سر پہ سوار کیا کرتا
صبح کا انتظار کیا کرتا

دہر کے ان گنت خداؤں میں
ایک پروردگار کیا کرتا

چیتھڑے تن پہ اوڑھ رکھے تھے
میں انہیں تار تار کیا کرتا

میں نے چپ چاپ سہہ لیا سب کچھ
بزم کو سوگوار کیا کرتا

دن مرے سارے ایک جیسے تھے
میں دنوں کا شمار کیا کرتا

میں نے دو چار شعر لکھ ڈالے
میں سرِ کوئے یار کیا کرتا

☆

سنا ہے ان کے دماغوں کے پیچ ڈھیلے ہیں
مریضِ عشق ہو شاعر کہ کوئی دیوانہ

O

عاشقی ایک خواب ہے، ہے نا!
اور کیا لاجواب ہے، ہے نا!

نور و نکہت کی بارشیں ہر سو
زندگانی شباب ہے، ہے نا!

میرا گلشن وہی چمن بھی وہی
شاخ پر اک گلاب ہے، ہے نا!

چاند تارے طواف کرتے ہیں
عشق اک انقلاب ہے، ہے نا!

"آج" آؤ امر بنا ڈالیں
"آج" تو دستیاب ہے، ہے نا!

روح گاتی ہے جاں تھرکتی ہے
عشق ایسی شراب ہے، ہے نا!

میری تیری کتابِ ہستی کا
عاشقی انتساب ہے، ہے نا!

جو تری زلف کا اسیر ہوا
بس وہی کامیاب ہے، ہے نا!

اُس پہ ہر رنگ و روپ جچتا ہے
کیا عجب آب و تاب ہے، ہے نا!

جانِ من قریب آؤ

جانِ من قریب آؤ
اور کچھ قریب آؤ
اس قدر قریب آؤ فاصلے سمٹ جائیں
ساری دوریاں مٹ جائیں
قلب و جاں کی شاخوں پر
چاہتوں کے گل مہکیں
وصل کی بہاریں ہوں
دلبری کے آنگن میں
رقص ہو ستاروں کا
چاندنی غزل خواں ہو
قربتوں کی پائل کی
چار سو صدا آئے
بادِ خوشگوار چلے
دلکشی کے ماتھے پر
جذب و شوق کا جھومر

زیست کی گواہی دے
بادِ غمگسار چلے
سرخوشی کے عارض ولب
جنتِ نظر ٹھہریں
خواہشوں کے دن پھر جائیں
بے خودی کے مے خانے
جسم وجاں پہ کھل جائیں
جانِ من قریب آؤ اور بھی قریب آؤ
اس قدر قریب آؤ فاصلے سمٹ جائیں
ساری دوریاں مٹ جائیں

☆☆☆

☆

امیرِ شہر کی سب ہاں میں ہاں ملانے لگے
نوائے درد کا کوئی بھی ہم نوا نہ رہا
ہر ایک سمت ہوائیں تھیں تند و تیز اتنی
کسی چراغ میں جلنے کا حوصلہ نہ رہا

O

شادمانی، خوشی تمہارا نام
بخدا زندگی تمہارا نام

زندگی پیار کے مدار میں ہے
صبح بھی شام بھی تمہارا نام

کہکشاں، کہکشاں، تمہاری یاد
چاندنی، چاندنی، تمہارا نام

چاند تاروں کی بزم تم سے سجے
روشنی، روشنی، تمہارا نام

صبح کے معجزے تمہاری بات
شام کی ساحری تمہارا نام

تم ہو مضرابِ سازِ قلب و نظر
روح کی شاعری تمہارا نام

شاخِ دل پہ گلاب کھلنے لگے
لے لیا جب کبھی تمہارا نام

میرے ہونٹوں پہ ہر گھڑی ہر پل
کل بھی تھا، آج بھی تمہارا نام

سچ تو یہ ہے سکونِ جاں تم سے
دلبری، دلکشی، تمہارا نام

جو ہے سب کچھ، سراب ہے جاناں
پھول بھی، چاند بھی، تمہارا نام

ہو تمہی خواب بھی حقیقت بھی
ہوش اور بے خودی تمہارا نام

فریبِ مسرت

کبھی کبھی مجھے خوشیاں اداس کرتی ہیں
یہ رنگ و نور مری آنکھ کو نہیں بھاتا
یہ چاند تارے مجھے اک فریب لگتے ہیں
غزل میں گیت میں جو کچھ کہا گیا مجھ کو
مبالغے کے سوا اور کچھ نہیں لگتا
یہ گیسوؤں کی گھنی چھاؤں دھوپ لگتی ہے
معانقوں لب و رخسار کی حسیں جنت
مجھے اداس بہت ہی اداس کرتی ہے
کوئی رفیقِ سفر جب بھی پیار کرتی ہے
یقین مانیے مجھ کو سکوں نہیں ملتا
کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میرا اپنا کلام
گھسے پٹے ہوئے جذبات کا پلندہ ہے
کبھی کبھی مجھے خود پہ یقیں نہیں رہتا
کوئی بھی میری نظر میں حسیں نہیں رہتا
کبھی کبھی مجھے خوشیاں اداس کرتی ہیں

ترے بغیر مجھے چین کیوں نہیں پڑتا

ترے بغیر مجھے چین کیوں نہیں پڑتا
نہ جانے کتنی حسینائیں مجھ پہ مٹتی ہیں
ہزاروں ہیں جو مجھے دل سے پیار کرتی ہیں
ہر ایک صبح مرا دل لگانے آتی ہیں
ہر ایک شام مجھی کو منانے آتی ہیں
ہر ایک رات مجھے لوریاں سناتی ہیں
ہر ایک لمحے کے لب پہ دعائیں میرے لئے
ہر ایک پل کی نگاہوں میں معتبر ہوں میں
عجیب بات ہے، کتنی عجیب بات ہے یہ
ترے بغیر مجھے چین کیوں نہیں پڑتا!

o

حسن پھر برق گرانے نکلا
شہر کا شہر جلانے نکلا

میں نے چاہا تھا ترے ساتھ چلوں
تو بہت تیز زمانے! نکلا

شہر کا جب بھی لگا دم گھٹنے
دشت میں جان بچانے نکلا

دھوپ کے قہر میں تنہا بادل
پیاس دھرتی کی بجھانے نکلا

شوقِ تعمیر نہ فارغ بیٹھا
شہر میں شہر بسانے نکلا

ہر کوئی بھول چلا تھا مجھ کو
اپنی تصویر دکھانے نکلا

میرے اجداد سے جو اُٹھ نہ سکا
میں وہی بوجھ اٹھانے نکلا

پیٹ کی آگ تھی اتنی سفاک
ہر کوئی اس کو بجھانے نکلا

☆

میں کیا کروں کہ پیار کی بجھتی نہیں ہے پیاس
کرنے کو پیار تیرے سوا اور چاہیے

o

مجھ کو بھول جانا تم، میں بھی بھول جاؤں گا
میں نہ تم کو لکھوں گا، میں نہ تم کو گاؤں گا

تم مری کتابوں کو طاق میں اٹھا رکھنا
کچھ مگر گماں سا ہے پھر بھی یاد آؤں گا

صبح کی صباحت جب، تم کو گنگنائے گی
دل کے تال پر تم کو میں بھی گنگناؤں گا

سوچتا ہوں اکثر میں کیسے پیٹ کی خاطر
اپنی اپنے ہاتھوں سے دھجیاں اڑاؤں گا

زیست کے جھیلے میں گر کبھی ہوا تنہا
میں تمہارے نمبر پر گھنٹیاں بجاؤں گا

وقت نے جو مہلت دی کچھ حسین یادوں سے
پھر اجاڑ دھرتی پر بستیاں بساؤں گا

اعجبِ تمنا گر ساتھ میرا دے پایا
یاد کے جزیروں سے تم کو ڈھونڈ لاؤں گا

☆

جب کوئی تازہ خبر آتی ہے
اک قیامت سی گزر جاتی ہے
تیرے دو حرفِ وفا ہوتے ہیں
میری دنیا ہی بدل جاتی ہے

فلاش

میں اپنے سارے پل روٹی کی خاطر بیچ آیا ہوں
مری خوشیاں، کبھی خوشیاں غموں کے گھر کی چاکر ہیں
مری عقل وخرد پر حکمرانی ہے حماقت کی
مری ساری جوانی نذر ہے کچھ مہ جبینوں کی
مری ساری کہانی میں کہیں بھی "میں" نہیں ملتا
مگر پھر بھی نہ جانے کس کی قوت سے
ابھی تک سانس لیتا ہوں
ابھی تک چلتا پھرتا ہوں
ابھی تک شعر کہتا ہوں
ابھی تک سوچتا ہوں
کچھ ارادے باندھتا ہوں توڑ دیتا ہوں
نہ جانے کیا سمجھتا ہوں نہ جانے کیا بتاتا ہوں
بہت سے خواب بنتا ہوں بہت سے توڑ دیتا ہوں

پیار کا آزار

کچھ بے کل تھا بے چین تھا میں
سب لائٹس میں نے بند کر دیں
جا لیٹا اپنے بستر پر
کچھ نیند سی مجھ کو آنے لگی
کچھ ایسا لگا مجھ کو، کوئی ہے
اور بیٹھ گیا ہے بستر پر
اور پوچھا مجھ سے "کیسے ہو"
میں اُٹھ بیٹھا پر بستر پر
کوئی بھی نہ تھا، کوئی بھی نہ تھا
میں کانپ گیا اور چیخ اُٹھا
آوازیں اٹھیں کمرے سے
تم پیار کرن کو نکلے ہو
یہ پیار تمہارے بس کا نہیں
آزار تمہارے بس کا نہیں

O

جیتتے رہنا ہارتے رہنا
جیسے گزرے گزارتے رہنا

زندگانی کا کچھ جواز تو ہو
زلفِ گیتی سنوارتے رہنا

قرض لاکھوں ہیں پچھلی نسلوں کے
جتنے اتریں اتارتے رہنا

قلب و جاں ہیں نوازشیں جس کی
قلب و جاں اس پہ وارتے رہنا

وہ جو سب کی پکار سنتا ہے
بس اسی کو پکارتے رہنا

نقش جو وقت نے مٹائے ہیں
اپنے فن سے اُبھارتے رہنا

☆

ایسا نہ ہو کہ پھر میں کہیں سچ ہی بول دوں
سچ بولنے کی مجھ کو سزا اور چاہیے

O

کوئی تو نغمۂ امید گنگنا دو نا!
میرے رفیقِ سفر کچھ تو حوصلہ دو نا!

جہاں پہ چاہو، مجھے چھوڑ کر چلے جانا
کوئی قدم بھی مرے ساتھ تو اٹھا دو نا!

سنا ہے دل کی صدا رائیگاں نہیں جاتی
پلٹ ہی آئے وہ شاید اسے صدا دو نا!

شبِ طویل کے کٹنے کی کچھ سبیل تو ہو
کوئی کہانی، کوئی داستاں سنا دو نا!

مرا گماں ہے کہ مجھ میں کوئی کمی سی ہے
مرے خدا! مجھے اک بار پھر بنا دو نا!

نہ جانے کس نے مرے بال و پر کتر ڈالے
مرے جنوں! مجھے بے بال و پر اُڑا دو نا!

☆

ایسا نہیں کہ ظلم سدا حکمراں رہے
یہ اپنی بزدلی ہے کوئی بے بسی نہیں

محبت کا انتظار رہتا ہے

سر پہ کوئی بال نہیں ہے
منہ میں کوئی دانت نہیں ہے
سننا بھی دشوار ہوا ہے
بولنا اک آزار ہوا ہے
نام کا کھانا، نام کا پینا
لیکن دل، یہ پاگل سا دل
بیٹھا ہوا ہے آس لگائے
کوئی آئے گلے لگائے
چومے، چاٹے، جی بہلائے
خواب کا یہ انعام بہت ہے
ہونٹوں کو یہ جام بہت ہے
پھر چاہے جو بھی ہو جائے
دل تھم جائے جاں کھو جائے

حسیں مناظر

حسیں مناظر ہر ایک رُت میں
خوشی کے ضامن سکوں کے مخزن
غموں سے اٹھکیلیاں سکھائیں
وفا کے چاہت کے گیت گائیں
ہمیں وہ جینے کا گُر سکھائیں
ہمیں ہنسائیں تمہیں ہنسائیں
یہ تیرگی میں دیے جلائیں
یہ روشنی کے علم اُٹھائیں
حسیں مناظر ہیں میرا ایماں
حسیں مناظر ہیں دین میرا
وہ خود حسیں ہے کہ جس نے میری تری نظر کو
یہ حسن بخشا جمال بخشا

o

تمنا کا دیا بجھنے لگا ہے
نظر سے راستہ بجھنے لگا ہے

تمہیں آنکھوں میں جی بھر کے سجا لوں
نظر کا سلسلہ بجھنے لگا ہے

ہر اک منزل ہر اک رستہ ہے روشن
تمہارا حوصلہ بجھنے لگا ہے

میں کس کس کو بچاؤں آندھیوں سے
نجانے کیا سے کیا بجھنے لگا ہے

مری آنکھوں کو جس نے روشنی دی
وہ چہرہ چاند سا بجھنے لگا ہے

کسی آسیب کا سایہ ہے شاید
اجالا ہر جگہ بجھنے لگا ہے

کوئی قندیلِ ہمت میرے خوابو!
چراغِ جاں مرا بجھنے لگا ہے

مرے فن پر قیامت کی گھڑی ہے
تصور آپ کا بجھنے لگا ہے

غمِ ہستی کی سرکش آندھیوں میں
ترے غم کا دیا بجھنے لگا ہے

o

وہ دل فریب کھیت، وہ گلزار کیا ہوئے
قدرت نے جو کہے تھے، وہ اشعار کیا ہوئے

لوگوں کے اژدھام میں اب جاں بلب ہے تو
اے شہر تیرے کوچہ و بازار کیا ہوئے!

گھر کی تمام رونقیں وہ ساتھ لے گیا
وہ ہنستے کھیلتے در و دیوار کیا ہوئے

کاسہ لئے نظر مری پھرتی ہے چارسُو
اے مہرِ صبحِ نو! ترے انوار کیا ہوئے

خلقِ خدا پہ آج بھی عسرت کا راج ہے
اے میرِ کارواں! ترے اقرار کیا ہوئے

سائے میں جن کے چین کے لمحے تھے دستیاب
وہ جا بجا، وہ کو بہ کو اشجار کیا ہوئے

تاریکیوں کے سارے خدا ایک ہو گئے
ہم تیرگی سے برسرِ پیکار کیا ہوئے

آباد جن کے دم سے تھیں خوابوں کی بستیاں
وہ حسن کھو گئے کہاں، وہ پیار کیا ہوئے

☆

تم جانے اضطراب میں کیا دیکھتے رہے
جو روشنی لگی تمہیں وہ روشنی نہ تھی

آ گئی ہو بنانے پاگل پھر

آ گئی ہو بنانے پاگل پھر!
پھر ارادہ ہے رات کی نیندیں مجھ پہ یکسر حرام ہو جائیں
پھر دنوں کا سکون غارت ہو
پھر مری روح کا قرار لُٹے
پھر مجھے دل نڈھال کر ڈالے
پھر مری پیاس، بھوک اُڑ جائے
پھر مرا جسم خیرباد کہے
آ گئی ہو بنانے پاگل پھر!
میری جاں اب یہ سب نہیں ممکن
جانے کتنے ہیں کام کرنے کو
جانے کتنی حماقتوں نے مجھے
پا بہ زنجیر کر رکھا ہے آج
جانے کتنے فضول کاموں میں
پھنس گئی ہے حیاتِ بے مقصد

دل کی سب حسرتیں ہیں راکھ کا ڈھیر
روح کے سارے گیت بے ہنگم
دن کا آرام اور شب کا سکون
کھو گیا پیٹ کے جھمیلوں میں
بیوی بچوں کی فکر لاحق ہے
باس کی جھڑکیاں ہیں اور میں ہوں
زیست کی ٹھوکریں ہیں اور میں ہوں
آ گئی ہو بنانے پاگل پھر!

☆

بجھ گئے دیپ دیوتاؤں کے
آدمی کا چراغ جلتا ہے

O

سرحدِ شوق سے نکلا نہ گیا
سانس لینے کو بھی ٹھہرا نہ گیا

جانے کتنے تھے گرفتار ہوئے
وہ کہ جو چور تھا پکڑا نہ گیا

میں نے آنکھوں سے تراشی تلوار
ظلم انسان پہ دیکھا نہ گیا

بھیڑ تھی اتنی سرِ راہِ حیات
کھو گیا کوئی تلاشا نہ گیا

سیڑھیاں اپنی جگہ تھیں لیکن
چڑھ گیا بام پہ اترا نہ گیا

دل بدلتا رہا رستے کیا کیا
منزلِ شوق پہ سیدھا نہ گیا

میری آنکھوں کو روشنی وہ ملی
تیرگی میں بھی اُجالا نہ گیا

حال مخدوش تھا کھلیانوں کا
ابرِ مجبور سے دیکھا نہ گیا

وقت نے سوچ مقفل کر دی
سوچنا چاہا تو سوچا نہ گیا

پاس اور کیا تھا تمہارے اقبالؔ
تم سے اک دل بھی سنبھالا نہ گیا

O

سنتے تھے روزِ عید ہے، صبح بہار ہے
میرے لئے تو عشق مگر انتظار ہے

یہ اور بات تُو مجھے حاصل نہ ہو سکی
جو شعر تجھ پہ ہو گیا وہ شاہکار ہے

میں نے یہ کب کہا کہ مجھے دیکھتے رہو
مجھ پر تمہاری ایک نظر بے شمار ہے

حسن و جمال سارے جہاں کے سمیٹ کر
یہ آنکھ کیا عجب ہے ابھی بے قرار ہے

جاری ہے جانے کب سے یہ کارِ رفوگری
لیکن قبائے دہر ابھی تار تار ہے

اے کاش کوئی مہ جبیں کچھ پل ادھار دے
شامِ بہار آج بہت خوشگوار ہے

میں سانس لے رہا ہوں بدن کے حصار میں
چاروں طرف بپا مرے حسنِ بہار ہے

تنہا کہاں ہوں جہدِ مسلسل میں دوستو!
میرا رفیقِ کار مرا اعتبار ہے

سب پھر رہے ہیں درد و غمِ جاں لئے ہوئے
کوئی رفیق ہے نہ کوئی غمگسار ہے

ایک دن ---ایک رات

مجھے بھولا نہیں وہ دن
تجھے جب میں نے جیتا تھا
مجھے بھولی نہیں وہ شب
تجھے جب میں نے ہارا تھا
وہ دن جاں بخش تھا کتنا
وہ شب دل دوز تھی کتنی
وہ دن کتنا فسوں گر تھا
وہ شب بے رنگ تھی کتنی
وہ دن پھولوں کی صورت
شاخِ جسم و جاں پہ مہکا تھا
وہ شب مرگِ مسلسل تھی
ابھی تک یاد ہے مجھ کو

وہ دن تھا دن کہاں تھا
ایک لمحہ تھا
وہ شب تھی شب کہاں تھی
اک قیامت تھی
جو ٹوٹی تھی دل و جاں پر
مری چاہت کے ایواں پر
محبت کے شبستاں پر

O

جھوٹ ہی کوئی کام آ جاتا
دو گھڑی اپنے غم بھلا پاتا

جس نے مجھ کو بھلا دیا کب کا
میں اسے بھول کیوں نہیں جاتا

ظلم جو آگہی نے ڈھائے ہیں
جہل بھی ظلم وہ نہیں ڈھاتا

فہم و دانش کی دین ہے یارو
ہم کو کچھ بھی سمجھ نہیں آتا

کتنے نغمے ہیں سازِ ہستی میں
وقت جن کو کبھی نہیں گاتا

زیست کچھ اپنی اپنی سی لگتی
مجھ کو بھی کاش کوئی اپناتا

جانے کس کس کے زخم بھر ڈالے
کوئی تو میرے زخم سہلاتا

میں شب و روز کے حصار میں ہوں
زندگی سے بہت ہے یہ ناتا

O

کچھ نتیجہ نہ دوڑ کا نکلا
میں کسی اور در پہ جا نکلا

بجھ گیا ایک پھونک میں کمبخت
تھا تو سورج مگر دیا نکلا

میں کہاں سے چلا تھا یاد نہیں
اور جانے کہاں پہ آ نکلا

میری آنکھوں کی کم نگاہی تھی
کیا دکھائی دیا تھا، کیا نکلا

میں نے مر مر کے امتحان دیا
رول نمبر وہ آپ کا نکلا

ایک دو گام دُور منزل تھی
حوصلہ تھا کہ من چلا نکلا

کتنی خوش کن تھی میری پیدائش
میں مگر ایک حادثہ نکلا

سادہ لوح اپنی جان دیتے رہے
دیوتاؤں کا مشغلہ نکلا

اپنے ہاتھوں سے اپنی جاں لے لی
کتنا ادراک سر پھرا نکلا!

نظم پارے

(۱)

بھوک لگی تھی۔۔۔کھا پی آیا
کیا کرتا میں۔۔۔کرتا کیا میں

(۲)

”اماں میری! بھوک لگی ہے“
”آدھی روٹی بچی پڑی ہے۔۔۔کھالے بیٹا“
”آدھی روٹی، شکر ہے مولا، شکر ہے تیرا“

(۳)

”حسن ہے مجرم“
”عشق ہے مجرم“
”دونوں مجرم۔۔۔بَری ہیں دونوں“
”کام ہے مشکل“
”کر کے دیکھو۔۔کر ڈالو گے“
”رستے لاکھوں۔۔۔چل نکلے تو۔۔۔چل نکلو گے“

”دل کی باتیں۔۔دل میں رکھو۔۔نکل پڑیں تو۔چرچا ہوگا“

”کہنا چھوڑو، کرنا سیکھو

جو کرتے ہیں

کب مرتے ہیں“

(۴)

”پیار ہے مجھ سے؟

خود سے پوچھو

پیار کا بدلہ، پیار ہے پیارے“

(۵)

”دن ہوگا تو رات بھی ہوگی

جیت ہوئی تو مات بھی ہوگی“

(۶)

آؤ ماضی میں کھو جائیں“

”وقت نہیں ہے“

(۸)

”خواب نہ دیکھو“

”خواب نہ دیکھیں،

جئیں کیسے!“

(۹)

”کون حسیں ہے، کون نہیں ہے۔۔۔دل سے پوچھو

دل سچا ہے

کون ہے سچا، کون ہے جھوٹا

وقت ہے منصف وقت بتائے“

(۱۰)

”پھول کو دیکھو، اک دوروز جوانی اس کی

اک دوروز کہانی اس کی

یہ مت بھولو پھول تو ہے نا“

(۱۱)

”آؤ چلیں“۔۔چلیں کہاں“

”کہیں چلیں۔۔چلیں مگر“

(۱۲)

قیامت سے پہلے قیامت کا منظر

یہ مسجد، یہ مکتب، یہ بازار گلیاں

سبھی قتل گاہیں

ہیں قاتل مسلماں

مریں بھی مسلماں

تیرگی کے سفیر

سب چراغ گل کر دو
تیرہ بخت شہروں کو تیرگی اُجالا ہے
اس میں تیرہ بختوں کے بھاگ جاگ اُٹھتے ہیں
کچھ نظر نہیں آتا
ظلم کے سفیروں کی بات بنتی رہتی ہے
بھوک بلبلاتی ہے
پیاس چیخ اُٹھتی ہے
گھر پہ چھت نہیں ہوتی
تن برہنہ رہتے ہیں
کچھ نظر نہیں آتا
جور برسرِ مسند
قہر برسرِ منبر
صبح موت کا ساماں
شام یاس کا منظر
رات بے کلی کی رات
کچھ نظر نہیں آتا

O

کبھی نظریں ملانا زندگی ہے
کبھی نظریں چرانا زندگی ہے

یہ سب کچھ دوستو! کچھ بھی نہیں ہے
یہ سب کچھ ہم نے مانا زندگی ہے

کبھی آنسو کبھی لب پر تبسم
ہماری شاعرانہ زندگی ہے

یہ دنیا اب پرانی ہو گئی ہے
نئی دنیا بسانا زندگی ہے

دلِ بے تاب جینے کی ضمانت
نگاہِ عاشقانہ زندگی ہے

وہ جس کو یاد کرنا زندگی تھا
اسے اب بھول جانا زندگی ہے

مجھے ہر کفر سے نفرت ہے لیکن
ادائے کافرانہ زندگی ہے

کوئی گل رُخ نظر آئے، نہ آئے
نظر کو آزمانا زندگی ہے

کہیں یہ گردشِ خوں تھم نہ جائے
سدا طوفاں اٹھانا زندگی ہے

کبھی ہے زندگی تیری کہانی
کبھی میرا فسانہ زندگی ہے

O

کتنے دریا تھے چڑھتے اترتے گئے
جتنے اُلجھے تھے گیسو سنورتے گئے

جسم و جاں کی یہاں کس کو پروا ہوئی
زخم لگتے گئے زخم بھرتے گئے

پست ذہنوں سے یورش کا یارا نہ تھا
جو بھی کرنا تھا چپ چاپ کرتے گئے

کتنے بے رحم تھے وقت کے فیصلے
ننگ سے، بھوک سے، لوگ مرتے گئے

ابھی زندگی کا جواز ہے

دیدنی بے بسوں کی تھی سادہ دلی
جاں بچانے کو جاں سے گزرتے گئے

ظالموں کے مظالم سے ڈرتے ہوئے
لوگ قسمت پہ الزام دھرتے گئے

حسنِ آوارگی نے ہمیں چن لیا
جو حسیں تھے وہ بنتے سنورتے گئے

سارے پَر کٹ گئے پھر بھی اُڑنا پڑا
میرے جوہر دُکھوں میں نکھرتے گئے

ہم نے جتنی تھی ہنس کھیل کر کاٹ دی
گاہے جیتے گئے گاہے مرتے گئے

o

جس کا احسان ہے روح کی سر خوشی
اس کا فیضان ہے لذتِ درد بھی

جس سے بچھڑے ہوئے اک زمانہ ہوا
وہ مرے ساتھ ہے ہر قدم ہر گھڑی

عشق میں جس کے لکھی تھی پہلی غزل
اس کی یادوں میں کی عمر بھر شاعری

حشر کی آگ تھی جسم و جاں جل گئے
میں سمجھتا رہا تھا جسے دل لگی

شاعری تو فقط اک بہانہ سا ہے
ذکر ہے آپ کا بات ہے آپ کی

یہ تو دیوانگی میرے کام آ گئی
راکھ کرنے کو تھی آتشِ آگہی

کیا خبر کون زخموں پہ مرہم دھرے
کچھ اضافی سی ہے دشمنی، دوستی

کتنے جذبوں کو رزقِ شکم کر دیا
عمر بھر بار ہا ہم نے کی خود کشی

چاند سا کوئی مہمان آنے کو ہے
اس طرف روشنی، اس طرف روشنی

حسنِ انساں کو کس کی نظر لگ گئی
کیا ہوئیں صورتیں، چاند سی، پھول سی

کتنے میخانے اک گھونٹ میں پی گئیں
کیا قیامت ہے آنکھوں کی تشنہ لبی

کرشمہ

دیکھتا ہوں جب تم کو، شاخِ بے نگاہی پر
پھول کھلنے لگتے ہیں
لکھنے تم کو لگتا ہوں جب بیاضِ خواہش پر
شعر ہونے لگتے ہیں
کہنے لگتا ہوں تم کو، آسمانِ خلوت پر
چاند ڈھلنے لگتے ہیں
گنگناتا ہوں تم کو
ساز بجنے لگتے ہیں
جاں سنبھلنے لگتی ہے
دل مچلنے لگتا ہے
روح رقص کرتی ہے
فکر مسکراتی ہے
ہوش کھوسا جاتا ہے
گاؤں بسنے لگتے ہیں
شہر سجنے لگتے ہیں
میں بہکنے لگتا ہوں
میں تھرکنے لگتا ہوں

تھکن

پیار کرنے نکلا تھا
نفرتوں کی گلیوں میں
پیار بانٹ آیا ہوں
عمر کاٹ آیا ہوں

O

شوق دل میں لئے، چل پڑے منچلے
جا بجا منزلیں، ہر طرف راستے

میں اکیلا چلا تھا رہِ شوق پر
آ ملے راہ میں سینکڑوں قافلے

بددعا تھی کسی کی کہ اپنی خطا
کٹ گئی زندگی بھاگتے بھاگتے

بے کلی جزوِ دل، جزوِ جاں بن گئی
خواہشیں تھیں عجب، سر پھرے خواب تھے

دوڑ کو حاصلِ زندگی جان کر
دوڑتے ہی رہے، ہانپتے کانپتے

رات کی نیند بھی دن پہ قرباں ہوئی
نیند میں بھی وہی فرض تھے خواب تھے

میری تنہائیاں اتنی پُرکیف تھیں
جتنے آسیب تھے میرے گھر آ بسے

O

جو مرے شعر ہیں تحریریں ہیں
میری دولت، میری جاگیریں ہیں

کچھ حسیں خواب، جو دیکھے تھے کبھی
وہ مرے پاؤں کی زنجیریں ہیں

جن سے اُجڑا مرا اُمید نگر
بے سبب خوف کی تعمیریں ہیں

میری نیت نے لکھی ہیں اَزخود
مرے ہاتھوں کی جو تحریریں ہیں

چاند جیسے ہیں جو پھولوں جیسے
حسنِ احساس کی تفسیریں ہیں

کیا حسیں لوگ ہیں تاحدِ نظر
کس حسیں خواب کی تعبیریں ہیں

یہ حسیں شعر جو اترے مجھ پر
یہ ترے حسن کی تصویریں ہیں

پیار کے بول جو کشکول میں ہیں
دلِ مفلس کی یہ جاگیریں ہیں

O

سامنے لالہ زار ہے یارو
یا کوئی خار زار ہے یارو

تم فقط جیتنے کی دھن میں ہو
زندگی جیت ہار ہے یارو

میں چلا جا رہا ہوں جاں سے پرے
بے خودی راہوار ہے یارو

کیسے سی پاؤں زندگی کا لباس
جا بجا تار تار ہے یارو

موسمِ گل سے دل کو کیا نسبت
دل کی اپنی بہار ہے یارو

شرط یہ ہے کہ ہمسفر ہو حسیں
ہر سفر خوشگوار ہے یارو

لینے دینے میں دن گزرتے ہیں
زندگی کاروبار ہے یارو

شاخِ دل پر جو خود بخود پھوٹے
شعر وہ شاہکار ہے یارو

دل کی بات

میں تمہیں دل کی بات کیسے کہوں
تم ہی تو دل کی بات ہو جاناں
میں کوئی اچھا شعر کیسے کہوں
کہہ دیا تم کو بات ختم ہوئی
میں کوئی اچھا لفظ کیسے لکھوں
سارے الفاظ میرے ختم ہوئے

اب کوئی اچھی صبح کیسے ہو
کیسے ہو کوئی شام دل آویز
کیسے راتوں کے دل میں ٹھنڈک ہو
کیسے دل کو ملے سکون قرار
تم جواب میرے آس پاس نہیں
زیست کی کوئی شے بھی راس نہیں

خواہش

پاس بیٹھو ذرا
آؤ باتیں کریں
کچھ کہیں کچھ سنیں
ہاں مگر جانِ من
تم بھی مصروف ہو
ہم بھی مصروف ہیں

o

کبھی پرواز تھی شمس و قمر میں
مگر طاقت کہاں اب بال و پر میں

مکانوں میں مقید کیسے ہوتے
رہے ہوں لامکاں جن کی نظر میں

ابھی باقی ہے خوئے دل نوازی
جوانی ہے ابھی بوڑھے شجر میں

جو ہوتا آیا ہے ہوتا رہے گا
نیا کچھ بھی نہیں شام و سحر میں

ہنر والے تہی داماں تہی دست
ہنر لاکھوں ہیں دستِ بے ہنر میں

کسی کا دکھ بٹانا کام آنا
یہی ہے زندگی اپنی نظر میں

میں سر کے بل چلا، چلتا رہوں گا
عجب لذت ہے چاہت کے سفر میں

نکل کے گھر سے آنکھیں کھل گئی ہیں
بنے بیٹھے تھے دانا اپنے گھر میں

تم اپنی چار دیواری میں خوش ہو
بہت کچھ ہے جہانِ خشک و تر میں

ہے منعم کا کرم نانِ شبینہ
دھرا کیا ہے مرے علم و ہنر میں

ہمیں دو وقت کی روٹی بہت ہے
یہ سب کچھ ہے جہانِ بے خبر میں

o

کبھی روؤں، مسکراؤں، تجھے یاد کرتے کرتے
کسی ڈھب سکوں نہ پاؤں، تجھے یاد کرتے کرتے

مرے دل میں آ بسا ہے کوئی اجنبی حسیں سا
میں اسے گلے لگاؤں، تجھے یاد کرتے کرتے

مرے حافظے پہ ٹوٹیں وہ قیامتیں شکم کی
میں کسی کے گیت گاؤں، تجھے یاد کرتے کرتے

کبھی کاش زیست میری، مرے بس میں کوئی دے دے
سبھی زندگی بتاؤں، تجھے یاد کرتے کرتے

کبھی اس طرح ہو ممکن کہ جہاں میں سب ہے ممکن
میں جہاں کو بھول جاؤں، تجھے یاد کرتے کرتے

کوئی ساحرانہ قوت جو ملے کبھی تو تجھ کو
میں کہیں سے ڈھونڈ لاؤں، تجھے یاد کرتے کرتے

o

خار و خس ، برگ و بار کچھ بھی نہ تھا
سرحدِ جاں کے پار کچھ بھی نہ تھا

کتنے شیریں تھے پیار کے قصے
ہو گیا پیار، پیار کچھ بھی نہ تھا

ایک پل میں سمٹ گئیں صدیاں
وہ کہ تھا بے شمار کچھ بھی نہ تھا

کوئی جیتا نہ کوئی ہار سکا
حاصلِ کارزار کچھ بھی نہ تھا

سب تماشا تھا میری آنکھوں کا
میری آنکھوں کے پار کچھ بھی نہ تھا

وقت منصف ہے اک کڑا منصف
وہ مرا شاہکار کچھ بھی نہ تھا

o

کیا کہا اس نے، ہم نے کیا جانا
بددعاؤں کو بھی دعا جانا

ظلم جو دستِ سنگدل نے کیا
ہم نے تقدیر کا لکھا جانا

سنگ، جس نے لہولہان کیا
ہم نے اس سنگ کو خدا جانا

اگلے بے علم لوگ اچھے تھے
ہم نے صرصر کو بھی صبا جانا

اپنے اجداد کے گناہوں کا
زندگانی کو خوں بہا جانا

آپ نے ہم کو جانے کیا سمجھا
ہم نے ہر سانس آپ کا جانا

عین ہم جیسا آدمی نکلا
جانے کیوں ہم نے دیوتا جانا

دل ارسطو کا خوشہ چیں نکلا
درد کو درد کی دوا جانا

اپنے اندر کے خوف کو اقبالؔ
بھوت سمجھا کبھی بلا جانا

O

آج بھی مشعل جلی ہے آپ کی چاروں طرف
روشنی ہی روشنی ہے آپ کی چاروں طرف

چاند نکلا ہے سپہرِ قلب و جاں پر آپ کا
چاندنی ہی چاندنی ہے آپ کی چاروں طرف

آپ ہیں یا پھول کلیاں ہیں قطار اندر قطار
جاں فزا خوشبو بسی ہے آپ کی چاروں طرف

شاخِ بینائی پہ کتنے گل کھلے ہیں آپ کے
دلکشی ہی دلکشی ہے آپ کی چاروں طرف

آپ کی باتوں کی کلیاں، آپ کی یادوں کے پھول
کیا حسیں محفل سجی ہے آپ کی چاروں طرف

آپ کا حسنِ نظر پھیلا ہے تاحدِ نظر
تیرہ شب میں روشنی ہے آپ کی چاروں طرف

آج بھی وجد آفریں ہے آپ کا حسن و جمال
آج بھی جادو گری ہے آپ کی چاروں طرف

بات کوئی ہو نکل آتی ہیں باتیں آپ کی
دھوم کچھ ایسی مچی ہے آپ کی چاروں طرف

پھول کلیاں چاند تارے آپ کے دریوزہ گر
کیا عجب دریا دلی ہے آپ کی چاروں طرف

خراجِ عقیدت

جون ڈن نے یہ آشکار کیا
عاشقی روح بھی بدن بھی ہے
پی۔ بی شیلی نے پیار کی قندیل
میرے قلب و نظر میں روشن کی
کیٹس سے میری شاخِ ہستی پر
حسنِ جاں بخش کے گلاب کھلے
بائرن نے عمل کی قوت دی
اور ملٹن نے روحِ جوش و خروش
شیکسپیئر نے میرے ہاتھوں میں
زندگی کی کتاب دے ڈالی
میر و غالب نے جامِ جم بخشا
اور اقبال نے خودی دے کر
مجھ کو بے خود بنا کے چھوڑ دیا

محبت

رات کے اندھیرے بھی
صبح کے اجالے ہیں
پیار کا کرشمہ ہیں
پیار کی عنایت ہیں

o

میں کہاں اور کاروبار کہاں
بک گیا تیرا میرا پیار کہاں

دل کی مٹھی میں سارے موسم تھے
کھو گیا موسمِ بہار کہاں

لاکھ چاہا کہ کچھ بھرم تو رہے
بج اٹھے سازِ دل کے تار کہاں

اک سفر مختصر جمال سفر
دل کہاں چشمِ اشکبار کہاں

کہہ رہا ہوں جو کہہ نہیں پاتا
میں کہاں کوئی شاہکار کہاں

کیا عجب دوڑ دھوپ میں گزری
میں کہاں میرا کردگار کہاں

پوچھتا پھر رہا ہوں صدیوں سے
مجھ کو جانا ہے جاں کے پار کہاں

عشق تو ایک بار ہوتا ہے
زیست ملتی ہے بار بار کہاں

o

سیدھے سادھے بھولے بھالے کیا کہوں کیا لوگ تھے
نور و نکہت کے حوالے کیا کہوں کیا لوگ تھے

لوگ، جو دل نے تراشے آج تک بھولے نہیں
جو مری آنکھوں نے ڈھالے کیا کہوں کیا لوگ تھے

آج تک یادِ نگاہِ لطف ہے آبِ حیات
زندگانی دینے والے کیا کہوں کیا لوگ تھے

میں حقیقت تھا مجھے پل میں تماشا کر گئے
پھر رہا ہوں دل سنبھالے کیا کہوں کیا لوگ تھے

دے گئے میرے جنوں کو سوز و سازِ زندگی
زندگانی دینے والے کیا کہوں کیا لوگ تھے

تیرگی ہی تیرگی پھیلی ہے تاحدِ نظر
میری آنکھوں کے اُجالے کیا کہوں کیا لوگ تھے

رول ماڈل

ہزاروں بار مارا ہے مجھے ظالم زمانے نے
ہزاروں بار جاں نکلی ہے ظالم پیار کے ہاتھوں
ہزاروں بار ظالم حاجتوں کی زد میں آیا ہوں
ہزاروں بار مستقبل کے ڈر نے تیر برسائے
کبھی ماضی کی یادوں نے مجھے مرنے پہ اُکسایا
مگر میں پھر بھی زندہ ہوں مجھے دیکھو مجھے دیکھو

آہ وہ یاد

میں نے تم کو چوما تھا، خواب میں خیالوں میں
آج تک وہ ہونٹوں کی لذتیں نہیں بھولیں
میں نے تم کو دیکھا تھا، چاندنی کے پہلو میں
آج تک نگاہوں نے اور کچھ نہیں دیکھا
چھولیا تمہیں میں نے بے نشان لمحوں میں
انگلیوں کی پوروں میں اب بھی پھول کھلتے ہیں
اک تمہاری خوشبو جو، اک ہوا کے جھونکے نے
مجھ کو دان کردی تھی
آج تک وہی خوشبو میرے تن بدن میں ہے

O

زمانے سے نبھانا آ گیا ہے
غموں میں مسکرانا آ گیا ہے

ہمیں ملنے کوئی آئے نہ آئے
تم آئے ہو زمانہ آ گیا ہے

بہت ہی تلخ ہیں ایّام لیکن
ہمیں دل کو لگانا آ گیا ہے

اسے لکھا ہے اتنا لوحِ دل پر
ہمیں لکھنا لکھانا آ گیا ہے

تبسم دیکھ کر ان کے لبوں پر
گلوں کو مسکرانا آ گیا ہے

تمہارا جھوٹ سچ لگنے لگا ہے
تمہیں سچ کو چھپانا آ گیا ہے

O

آنا جانا چھوڑ دیا ہے
ہر یارانہ چھوڑ دیا ہے

عقل خزانہ ہاتھ لگا ہے
دل دیوانہ چھوڑ دیا ہے

ہم کو ڈگری سے مطلب ہے
پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیا ہے

نیٹ سے یاری لگی ہے اپنی
پیار پرانا چھوڑ دیا ہے

کتنے سندر چہرے نیٹ پر!
بام پہ جانا چھوڑ دیا ہے

فون کی گھنٹی ہی کافی ہے
در کھڑکانا چھوڑ دیا ہے

دیواروں سے، در سے ہم نے
سر ٹکرانا چھوڑ دیا ہے

بے کلی

مجھے اب تک نیند نہ آئی تھی
کبھی اس کروٹ کبھی اس کروٹ
کبھی ہاتھ تھا میرا دل پہ مرے
کبھی نبض کو اپنی چھوتا تھا
کبھی ہوک سی دل سے اٹھتی تھی
دو ایک بجے کا وقت تھا یہ
اک دستک دروازے پہ ہوئی
دوبارہ ہوئی سہ بارہ ہوئی
میں اُٹھا اور پٹ کھول دیئے
کوئی بھی نہ تھا کوئی بھی نہ تھا
پر دُور سے اک آواز آئی
یہ پیار کا کھیل تماشا ہے
یہ پیار کا کھیل تماشا ہے
یہ لذت کا سامان نہیں
یہ دل کو روگ لگانا ہے
یہ ہر پل جان سے جانا ہے

یکسانیت

وقت بے کیف ہے
شب گزرتی نہیں
دن بھی رُک سا گیا

o

خوب گرجا ہے عالمی گاؤں
خوب برسا ہے عالمی گاؤں

رقص کٹھ پتلیوں کا جاری ہے
کیا تماشا ہے عالمی گاؤں

آگ شعلہ فشاں ہے چاروں طرف
اور جلتا ہے عالمی گاؤں

کھوکھلے قہقہے سجائے ہوئے
دل شکستہ ہے عالمی گاؤں

وہ جو اک بخت کا سکندر ہے
صرف اس کا ہے عالمی گاؤں

آنکھ پتھرا کے رہ گئی یارو
جب بھی دیکھا ہے عالمی گاؤں

چیخ لو جس قدر بھی، چیخ سکو
کس کی سنتا ہے عالمی گاؤں

وہ جو ہر صبح و شام ہوتا ہے
وہ دھماکا ہے عالمی گاؤں

واہمہ

کون تھا؟
کوئی دستک سی تھی کوئی آہٹ سی تھی
یا فقط واہم تھا
میرے جذبات کا
میرے دن رات کا

تصویر

”کس کی تصویر ہے؟“
”میری تصویر ہے
میری تصویر ہے!“

o

ہر قدم پر ٹھوکریں کھانے لگے
درد و غم سے لوگ چلانے لگے

یوں لگا تھم ہی گئی نبضِ حیات
وہ مجھے جب چھوڑ کر جانے لگے

حسن کا اک میں ہی دیوانہ نہیں
مجھ کو سارے لوگ دیوانے لگے

اک قیامت بن گئیں تنہائیاں
بام ، در آنگن مجھے کھانے لگے

ساحلوں سے تم نے دیکھے ڈوبتے
پیار تم کو سارے افسانے لگے

وقت نے ہر ایک لذت چھین لی
وقت گزرا زخم بھر جانے لگے

o

تم نے جو کچھ بھی کہا مان لیا
بادِ صرصر کو صبا مان لیا

میں نے دو بول محبت کے کہے
میرے دلبر نے بُرا مان لیا

بت پرستی مجھے لے ڈوبے گی
میں نے ہر بت کو خدا مان لیا

ہاتھ سے خود ہی لکھا اور اسے
ہم نے قسمت کا لکھا مان لیا

عمر بھر اس کو بڑا ہی سمجھا
ہم نے جس جس کو بڑا مان لیا

اتنے احسان تھے دل کے مجھ پر
اُس نے جو کچھ بھی کہا مان لیا

دم کا گھٹ جانا مقدر ٹھہرا
جس کو بھی تازہ ہوا مان لیا

میں نے گر گر کے سنبھلنا سیکھا
میں کہیں جب بھی گرا مان لیا

پہلی تاریخ

"یہ تنخواہ، لے کے آئے ہو بڑے افسر، میرے شوہر"
بتاؤ کیا کروں اس کا یہ تنخواہ اک تمسخر ہے
"کرایہ ہے مکاں کا اور کتنے بل ہیں، ہم کو جو ادا کرنے ہیں"
"اور پھر گھر چلانا ہے، بحر کی فیس دینی ہے"
"کنول کل کہہ رہی تھی، کچھ کتابیں اس کو لینی ہیں"
"تمہارا سوٹ بھی کتنا پرانا ہو گیا ہے، میری ساڑھی بھی"
"نہ جانے کتنے اخراجات پورے ماہ کرنے ہیں"
"یہ تنخواہ لے کر آئے ہو"
"بتاؤ کیا کروں اس کا، کوئی دھندا شروع کر دو"
"کسی بزنس میں لگ جاؤ یا جو چاہو کرو"
"کچھ تو کرو"
"ظالم، کھڑے کیا دیکھتے ہو، اے بڑے افسر، میرے شوہر"

لاحاصلی

میں اس کے پیچھے دوڑا
وہ میرے ہاتھ نہ آیا
جو میرے پیچھے دوڑا
میں اس کے ہاتھ نہ آیا

o

میں کوئی راگ پرانا ہی سہی
یہ کوئی اور زمانہ ہی سہی

اس کا اپنا ہی مزہ ہے، ہے نا!
دل لگی جان سے جانا ہی سہی

اک حقیقت کا گماں ہوتا ہے
زندگی ایک فسانہ ہی سہی

آؤ نا! لطف اُٹھائیں جی بھر
مختصر عمر ٹھکانہ ہی سہی

ہم نے ہر شب کو سحر کرنا ہے
ہر گھڑی ایک زمانہ ہی سہی

آس مت توڑ مری، جانِ غزل!
آس جینے کا بہانہ ہی سہی



خدا کا راستہ سب جانتے ہیں
کوئی اس پر چلا! سب جانتے ہیں

کسی کو جرأتِ اظہار کب ہے
کہاں کیا کچھ ہوا، سب جانتے ہیں

ہر اک نے جھوٹ کو ایمان جانا
صداقت کی سزا، سب جانتے ہیں

برے دن ہیں کوئی کیوں ملنے آئے
مرے گھر کا پتا، سب جانتے ہیں

پرانے دور کی باتیں پرانی
زمانہ ہے نیا سب جانتے ہیں

وہ مفلس ہے گواہی کون دے گا
وہ کیسے لٹ گیا سب جانتے ہیں

جو جگ داتا بنے پھرتے ہیں یارو
یہ ہے کس کی عطا سب جانتے ہیں

سبھی کو پیار ہے اس مہ جبیں سے
وہ ہے دراصل کیا سب جانتے ہیں

طبیعت اب ادھر جاتی نہیں ہے
محبت کا مزہ، سب جانتے ہیں

O

آج کل ہر جگہ ہے ہنگامہ
بے سبب کب بپا ہے ہنگامہ

چاہتوں سے سکون ملتا تھا
نفرتوں کی سزا ہے ہنگامہ

شور و شر جھوٹ کے لئے اکسیر
مکر کی اک ادا ہے ہنگامہ

کل مسائل کا حل سکون میں تھا
درد کی اب دوا ہے ہنگامہ

لوگ یہ بات بھول جاتے ہیں
خوبصورت بلا ہے ہنگامہ

بات بنتی نہیں ہے اس کے بغیر
عقل چھوٹی بڑا ہے ہنگامہ

O

ہر کہی ان کہی جھوٹ ہی جھوٹ ہے
ایسا لگنے لگا زندگی جھوٹ ہے

کشت و خوں سازشیں برتری کے لئے
عالمی زندگی عالمی جھوٹ ہے

سچ وہی ہے جسے لوگ سچا کہیں
شہر بے علم میں آگہی جھوٹ ہے

عیش و عشرت میں عُسرت کے نوحے لکھیں
شاعرو! آپ کی شاعری جھوٹ ہے

دیدنی سوچ کے جلتے بجھتے دیئے
تیرگی جھوٹ ہے روشنی جھوٹ ہے

چاند شکلیں ہیں محتاجِ حسنِ نظر
پھول چہروں کی جادو گری جھوٹ ہے

جل بجھا جسم پر آگ بجھتی نہیں
کیسے کہہ دوں کہ دل کی لگی جھوٹ ہے

لے اُڑا تیری جاں تیرے اندر کا ڈر
مذہبِ شوق میں بے بسی جھوٹ ہے

O

جانے کیا کیا پڑھتا ہوں
جانے کیا کیا لکھتا ہوں

جانے کب میں گھر پہنچوں
جانے کب سے نکلا ہوں

وقت نے بال و پر نوچے
پھر بھی اُڑتا رہتا ہوں

بچوں جیسی عادت ہے
سپنے بُنتا رہتا ہوں

اور کسی کا خوف نہیں
اپنے آپ سے ڈرتا ہوں

گھر بھی ساتھ نکلتا ہے
جب بھی گھر سے نکلتا ہوں

میری اپنی دنیا ہے
اس دنیا میں رہتا ہوں

آپ ہی اپنی منزل ہوں
آپ ہی اپنا رستہ ہوں

o

ناصحا! زندگی بچانے دے
دو گھڑی مجھ کو مسکرانے دے

تیری چاکر سکوں کی صدیاں ہیں
مجھ کو دو چار پل سہانے دے

تو سمجھتا ہے ہار جاؤں گا
جو بھی دینا ہے غم، زمانے! دے

جتنے سجدے ہیں سب لٹا دوں گا
اس کی چوکھٹ تو پاس آنے دے

ہار تو جیت کی ضمانت ہے
ہار کا جشن تو منانے دے

تو نے نفرت کو آزما دیکھا
تو مجھے پیار آزمانے دے

مجھ کو دو بول پیار کے ہیں بہت
کب کہا پیار کے خزانے دے

بھولنے میں ہی عافیت ہے مری
جو ہوا مجھ کو بھول جانے دے

o

دو گھڑی ساتھ ساتھ چلنے دو
گر نہ جاؤں کہیں سنبھلنے دو

تجربہ رہنمائے ہستی ہے
ان کو گرنے دو خود سنبھلنے دو

جلد بازی سے بات بنتی نہیں
برف کو اور کچھ پگھلنے دو

شعر شہکار بن کے نکلیں گے
درد کو شاعری میں ڈھلنے دو

جانے کس کس کو راہ دکھلائیں
جل رہے ہیں چراغ جلنے دو

وقت پر کس کی حکمرانی ہے
جو بھی چلتا ہے چال چلنے دو

دل کا بھی حق ہے کوئی جانِ غزل
کوئی تو آرزو مچلنے دو

ہم کو بیساکھیاں نہیں منظور
اپنے پاؤں پہ ہم کو چلنے دو

ایک دو اشک زندگانی ہیں
ایک دو اشک تو نکلنے دو

O

یہ زمیں اور آسماں کچھ اور
مجھ کو لگتا ہے یہ جہاں کچھ اور

یہ سعادت ہمیں نہیں منظور
دل کہے کچھ، کہے زباں کچھ اور

داستاں اور ہے کتابوں میں
تم سناتے ہو داستاں کچھ اور

شرق اور غرب اک زمین پہ ہیں
ہے یہاں اور کچھ، وہاں کچھ اور

ان کو ہر پل نیا جہاں درکار
چاہتے ہیں یہ نوجواں کچھ اور

مار ڈالا تضادِ ہستی نے
ظاہراً اور کچھ نہاں کچھ اور

زندگی کیا عجب معمہ ہے
ہے یقیں اور کچھ گماں کچھ اور

کچھ حقیقت ہوں کچھ فسانہ ہوں
میں ہوں دونوں کے درمیاں کچھ اور

التماس

کبھی میں گھبرا کے زندگی سے، تمہارے نمبر پہ بیل بجادوں خفا نہ ہونا
یہ میری عادت پرانی عادت
تمہارے دل کا سکون تھی یہ
تم اس پہ سوتی، تم اس پہ اُٹھتی
مری وفا کی سفیر تھی یہ
تمہاری چاہت کے پھول کھلتے تھے اس صدا پر
میں صبح کو گر یہ بیل بجاتا تو دن تمہارا سکوں سے کٹتا
سنائی دیتی جو شب کو یہ بیل
تو چین سے تم کو نیند آتی
حسین سپنے تمہاری آنکھوں میں سجنے لگتے
مگر جو ہونا تھا ہو گیا ہے
تمہیں خبر ہے مجھے خبر ہے
تمہاری دنیا بدل گئی ہے
مری حقیقت ہوئی فسانہ
اسی لئے تم سے ملتمس ہوں
اگر میں گھبرا کے زندگی سے تمہارے نمبر کی بیل بجادوں، خفا نہ ہونا
میں دھیرے دھیرے یہ اپنی عادت بھلا ہی دوں گا
پرانے نقش و نگار سارے مٹا ہی دوں گا

بھوت عاشق

"انساں ہو کہ تم بھی بھوت کوئی"
"میں بھوت نہیں ہوں عاشق ہوں
مجھے عشق نے بھوت بنا ڈالا
اک لمبا روگ لگا ڈالا"

o

چل پڑا ہے اگر تو چلتا چل
فرحتِ جسم و جاں سے آگے نکل

پاگلوں میں پھنسی ہو جانِ غزل
تم بھی ہو جاؤ میری جاں پاگل

کن خزاؤں نے آن گھیرا ہے
شاخِ انسانیت پہ پھول نہ پھل

کوئی بھی صورتِ نجات نہیں
آدمیت ہے اور اک دلدل

دل میں اُٹھتا ہے روز درد نیا
کیوں نہ ہو جائے ایک شامِ غزل

اک عجب سا سکوت طاری ہے
کوئی طوفاں اُٹھے گا آج یا کل

O

دوستی دوستی نہیں لگتی
روشنی روشنی نہیں لگتی

اس میں صدیوں کا دل دھڑکتا ہے
یہ غزل آج کی نہیں لگتی

دن بھی دن جیسا اب نہیں لگتا
رات بھی رات سی نہیں لگتی

کیا ہوا جانے میرا ذوقِ جمال
کوئی صورت بھلی نہیں لگتی

المیہ اور کس کو کہتے ہیں
زندگی زندگی نہیں لگتی

یہ تو آنکھوں کا کھیل ہے پیارے
داستاں پیار کی نہیں لگتی

O

کوئی مہ جبیں، کوئی مہ لقا، مجھے کیا ہے وہ جو ملا نہیں
کوئی چاند سا، کوئی پھول سا، مجھے کیا ہے وہ جو ملا نہیں

کبھی صبحِ وصل کی لذتیں کبھی شامِ قرب کی راحتیں
مجھے زندگی سے ہو کیا گلہ مجھے کیا ہے وہ جو ملا نہیں

کوئی خوشنوا کبھی فون پر کوئی خوش ادا کبھی بام پر
کبھی ہمسفر کوئی دلربا مجھے کیا ہے وہ جو ملا نہیں

میں سمجھ رہا تھا چلا گیا کسی اور شہر میں جا بسا
مرے ساتھ ساتھ ہے بخدا مجھے کیا ہے وہ جو ملا نہیں

کوئی ہاتھ تھا مرے ہاتھ میں کوئی بڑھ کے مجھ سے گلے ملا
کوئی گل بدن مرے ساتھ تھا مجھے کیا ہے وہ جو ملا نہیں

کبھی ماہتاب امید کا کبھی آفتاب نوید کا
سدا آرزو کا دیا جلا مجھے کیا ہے وہ جو ملا نہیں

وہ کہانیاں جو رقم ہوئیں مری زندگی میں غلط ہوئیں
جو بچھڑ گیا مجھے آ ملا مجھے کیا ہے وہ جو ملا نہیں

کئی دور آئے حسیں حسیں کئی وقت آئے جواں جواں
کوئی خواب تھا مجھے یوں لگا مجھے کیا ہے وہ جو ملا نہیں

مرا دل بھی ایک مکان ہے جو سجا رہا جو بسا رہا
کوئی چل پڑا کوئی آ بسا مجھے کیا ہے وہ جو ملا نہیں

کوئی خواب تھا کہ خیال تھا کوئی حسن تھا کہ جمال تھا
مرے ساتھ ساتھ وہ چل پڑا مجھے کیا ہے وہ جو ملا نہیں

O

محبت دل لگانا بن گئی ہے
حقیقت تھی فسانہ بن گئی ہے

تمہیں دیکھا تو میری زندگانی
نگاہِ عاشقانہ بن گئی ہے

خوشی میں اک گھڑی بس اک گھڑی تھی
غموں میں اک زمانہ بن گئی ہے

غمِ دنیا سے واقف ہو گیا ہوں
شکستِ دل بہانہ بن گئی ہے

کسے جرأت کہ دل کی بات کہہ دے
یہ بستی قید خانہ بن گئی ہے

محبت جو بجائے زندگی تھی
تلاشِ آب و دانہ بن گئی ہے

O

زیست یوں ہاری تماشا بن گئی
خوئے خودداری تماشا بن گئی

ہر کوئی آیا نیا نسخہ لئے
میری بیماری تماشا بن گئی

اک تماشا دیکھنے ہم کیا گئے
زندگی ساری تماشا بن گئی

وقت خوردہ تن بدن کے خول میں
دل کی سرشاری تماشا بن گئی

لٹ گیا نظروں کے ہاتھوں رنگ روپ
شکل تھی پیاری تماشا بن گئی

پھول سے لفظوں نے بازی جیت لی
دل کی گلکاری تماشا بن گئی

خوئے خونخواری کی جھولی میں جہاں
خوئے دلداری تماشا بن گئی

دور جا نکلے خود اپنے آپ سے
برق رفتاری تماشا بن گئی

تھی بڑی جاں بخش بازی عشق کی
ہم نے جب ہاری تماشا بن گئی

o

حوصلہ حوصلہ، صبح ہونے کو ہے
اپنی ہمت دکھا، صبح ہونے کو ہے

اٹھ ذرا اور نئے دن کی آواز سن
جاگ جا، جاگ جا، صبح ہونے کو ہے

رات بھر شوق کے دیپ جلتے رہے
کٹ گیا فاصلہ، صبح ہونے کو ہے

گھر میں تو رات دن ایک جیسے لگیں
دیکھ باہر ذرا، صبح ہونے کو ہے

رات لمبی سہی، دن نکلنے کو ہے
جو ہوا، سو ہوا، صبح ہونے کو ہے

جیسے تیسے کٹی کٹ گئی آخرش
کیا شکایت گلہ، صبح ہونے کو ہے

ہر نئے دن سے پھوٹے نئی زندگی
صبح کے گیت گا، صبح ہونے کو ہے

پروف راک

میری مہوش میری دلبر، "اے مری جانِ غزل
تم سے کچھ کہنا تھا جاناں"
"کہہ بھی ڈالو۔۔کہہ چکو
روز کہہ دیتے ہو کچھ کہنا ہے پر کہتے نہیں"
"کل کہوں گا۔۔۔کہہ ہی دوں گا"
کل کبھی آئی نہیں
"اور میں کہیں پر کھو گیا
جانے کہاں وہ کھو گئی"

مری ساری محبت رائیگاں

مری ساری محبت رائیگاں اور بے ثمر چاہت
تڑپنا صبح کا اور شام کے آنسو
سلگنا رات دن کا
سسکیاں بھرنا ہر اک لمحہ
سبھی بے سود بے مصرف
چلو یونہی سہی جاناں مگر اتنا تو ممکن ہے
کبھی تم جھوٹ ہی کہہ دو
"مجھے تم سے محبت ہے"
"مجھے تم سے محبت ہے"
تمہارے جھوٹ پر میں سارے سچ قربان کر دوں گا
تمہارے جھوٹ پر میں زندگانی دان کر دوں گا

o

پَل میں صحرا ہوں پَل میں دریا ہوں
کیا بتاؤں کسی کو میں کیا ہوں

جانے کیوں ہر گھڑی قیامت ہے
جانے کس حادثے سے ڈرتا ہوں

اپنی ہی بددعا لگی ہے مجھے
میں کسی کا ہوں اور نہ اپنا ہوں

آرزو کا چراغ جلتا ہے
تیرگی، روشنی سے بالا ہوں

پھول ہوں پر یہ المیہ ہے میرا
شاخِ چشمِ کرم پہ کھلتا ہوں

مجھ کو اک زندگی نہیں منظور
ہر زماں زندگی بدلتا ہوں

مجھ کو جن راستوں نے لوٹ لیا
میں انہی راستوں پہ چلتا ہوں

جب بھی خواہش ہو دل میں اُڑنے کی
بے پَر و بال اڑنے لگتا ہوں

مجھ سا خوش بخت کوئی کیا ہو گا
میں ہر اک پیرہن میں سجتا ہوں

حسن کے نام

حسن دلکش ہزار ہو لیکن
حسن تو حسن گر بھی ہوتا ہے

وُرُودِ شام سے پہلے

(ماخوذ از۔رابرٹ فراسٹ)

بڑے دلکش ہیں نظارے
مگر مجھ کو مرے دلبر
بڑے وعدے نبھانے ہیں
ورودِ شام سے پہلے
ہزاروں کوس چلنا ہے
ہزاروں کوس چلنا ہے

o

وہ کور ذوق تھا حسن و جمال کیا کرتا!
کسی کی بات کسی کا خیال کیا کرتا!

گھڑے گھڑائے جوابوں سے مجھ کو وحشت تھی
میں چپ رہا میں کسی سے سوال کیا کرتا!

جو نامور تھے ہمیشہ کمال کرتے رہے
میں عام شخص تھا کوئی کمال کیا کرتا!

خدا کا شکر کہ میں اپنے حال میں خوش ہوں
میں جانتا ہوں کوئی میرا حال کیا کرتا!

جہاں سوال اٹھانا ہی جاں سے جانا تھا
وہاں سوال کی کوئی مجال کیا کرتا!



سانس لینے کے سوا کچھ بھی نہیں
زندگی تجھ میں رہا کچھ بھی نہیں

زندگی تجھ سے میں شرمندہ ہوں
تجھ کو کچھ بھی نہ دیا، کچھ بھی نہیں

میرے کانوں نے سنا کیا کیا کچھ
تو یہ کہتا ہے کہا، کچھ بھی نہیں

ہم پہ ہر روز قیامت ٹوٹی
ہم نے ہر روز کہا، کچھ بھی نہیں



اس کی ہرگز سحر نہیں ہوتی
جس کی اپنی نظر نہیں ہوتی

جب ترے پاس بیٹھ جاتے ہیں
ہم کو اپنی خبر نہیں ہوتی

اپنے سائے سے ڈرنے لگتے ہو
زندگی یوں بسر نہیں ہوتی

پل میں صدیوں کے کام ممکن ہیں
زندگی مختصر نہیں ہوتی

دل ہے زندہ تو زندگانی ہے
زندگی عمر بھر نہیں ہوتی

کیا کوئی ایسی رات ہوتی ہے
آخرش جو سحر نہیں ہوتی

o

ترے عشق میں بھی مزا نہیں
کوئی عشق تیرے سوا نہیں

کوئی شاہ کوئی فقیر ہے
یہ وہ فرق ہے جو مٹا نہیں

میں ہوں آپ اپنی ہی گھات میں
کوئی دیو، کوئی بلا نہیں

مرا دکھ ہے سارے جہان کا
یہ وہ دکھ ہے جس کی دوا نہیں

ترے دل میں خوف ہی خوف ہے
ترے دل میں خوفِ خدا نہیں

مجھے خوفِ مرگ ڈرائے کیوں
کوئی ہے! کہ جس کو فنا نہیں

میرے پاس آس کی روشنی
یہ وہ دیپ ہے جو بجھا نہیں

تو جو چاہے پھر سے بنا اسے
یہ جہان ڈھب سے بنا نہیں

o

کوئی حسین، کوئی گل عذار یاد نہیں
کبھی ملا تھا نظر کو قرار یاد نہیں

جنھیں وثوق سے ہم اپنے روز و شب جانیں
وہ ماہ و سال، وہ لیل و نہار یاد نہیں

ہماری یاد کو کس کی نظر نے چاٹ لیا
کوئی خزاں، کوئی فصلِ بہار یاد نہیں

وہ دن بھی تھے کہ کئی گیت اس نے چھیڑے تھے
کہاں پہ ٹوٹ گئے دل کے تار یاد نہیں

سدا سوار رہا سر پہ روز کا معمول
یہ کب نہیں تھا میرے سر پہ بار یاد نہیں

جہاں کے ظلم نے ایماں کو تازہ رکھا ہے
وہ کون ہے جسے پروردگار یاد نہیں

کیا ہے ہم نے سفرِ عمر بھر کا طے تنہا
کوئی رفیقِ سفر، غمگسار یاد نہیں

وہ عشق تھا کہ فقط اپنا آپ بھولے تھے
وہ حشر ہے کہ ہمیں تیرا پیار یاد نہیں

o

سر کٹانا کوئی مذاق نہیں
دیں بچانا کوئی مذاق نہیں

طائرِ ناتواں کے دل سے پوچھ
آب و دانہ کوئی مذاق نہیں

سر جھکانا جہاں ہو شرطِ حیات
سر اٹھانا کوئی مذاق نہیں

قاتلوں جابروں کی بستی میں
لب ہلانا کوئی مذاق نہیں

جا بجا گولیوں دھماکوں میں
جاں بچانا کوئی مذاق نہیں

دل کی تالیف حجِ اکبر ہے
دل دُکھانا کوئی مذاق نہیں

بیٹھ جائیں جو بزمِ یاراں میں
اُٹھ کے جانا کوئی مذاق نہیں

دل کی بستی اگر اُجڑ جائے
پھر بسانا کوئی مذاق نہیں

اشک آنکھوں میں، دل ہو پژمردہ
مسکرانا کوئی مذاق نہیں

o

طلسمِ یار اک دیوانگی ہے
گل و گلزار اک دیوانگی ہے

کہاں محفوظ ہے اب گھر کسی کا
در و دیوار اک دیوانگی ہے

یہ جلوے ہیں فقط دو چار دن کے
گلوں سے پیار اک دیوانگی ہے

مجھے موجوں میں جینا آ گیا ہے
سمندر پار اک دیوانگی ہے

جہاں بے دام سب کچھ مل رہا ہو
وہاں انکار اک دیوانگی ہے

غموں کا زہر جاں لیوا ہے لیکن
مری غمخوار اک دیوانگی ہے

نظر کی بات بس حدِ نظر تک
نظر کے پار اک دیوانگی ہے

جہاں انکار مذہب بن گیا ہو
وہاں اقرار اک دیوانگی ہے

دلِ بے کیف، فکرِ بیش و کم میں
دلِ سرشار اک دیوانگی ہے

جہاں حق بات کرنا کفر ٹھہرے
وہاں اظہار اک دیوانگی ہے

o

عمر بھر انتظار کرتے رہے
ہر خزاں کو بہار کرتے رہے

کتنے شیریں تھے اس کے جھوٹ، کہ ہم
جو کہا اعتبار کرتے رہے

جسم و جاں وقت کی امانت تھے
نذرِ لیل و نہار کرتے رہے

روز و شب، جن پہ اختیار نہ تھا
زندگانی شمار کرتے رہے

جس کے سر پر سوار ہوتا تھا
اس کو سر پر سوار کرتے رہے

آج اک آب جو قیامت ہے
کل سمندر بھی پار کرتے رہے

عشق تو ایک بار ہوتا ہے
ہم مگر بار بار کرتے رہے

ہو گئے ہیں شکار دھرتی کے
ہم کہ گردوں شکار کرتے رہے

O

جسم و جاں سے گزرتے رہے عمر بھر
ہم کہ خوابوں پہ مرتے رہے عمر بھر

جیسے چاہا کوئی دن گزر کب سکا
جانے کس کس سے ڈرتے رہے عمر بھر

خاک تھے آخرش خاک ہو کر رہے
لاکھ بنتے سنورتے رہے عمر بھر

لمحہ لمحہ نکلتی رہی تن سے جاں
ذرہ ذرہ بکھرتے رہے عمر بھر

آخرش اپنی دھرتی پہ پاؤں دھرے
آسماں سے اُترتے رہے عمر بھر

خالی ہستی کا خانہ تھا خالی رہا
خالی خانوں کو بھرتے رہے عمر بھر

انکساری سے جتنی بھی تھی کٹ گئی
خود پہ اِلزام دھرتے رہے عمر بھر

کرنا کیا کچھ تھا کیا کر گئے، کیا خبر
کچھ تو کرنا تھا کرتے رہے عمر بھر

o

لکھ دی ہے عشق کی کتاب
حسن کے نام انتساب

موسِم زرد! کیا ہوئے
سرو وسمن، مرے گلاب

خوشیاں ملیں تو ایک دو
درد ملے تو بے حساب

کتنے ہیں ذہن میں سوال
جن کے نہیں کوئی جواب

مٹتے تھے جس پہ مہ جبیں
ہائے وہ کیا ہوا شباب

رخصت ہوا دلِ حزیں
رخصت ہوئے سبھی عذاب

جھوٹ ہیں سب حقیقتیں
جھوٹے ہیں میرے تیرے خواب

اتنی ہی تیرگی بڑھی
جتنے تراشے ماہتاب

اس کا بھی سر جھکا رہا
میں بھی ہوا تھا آب آب

یاس، سکوت اور جمود
آس ہے روحِ انقلاب

O

ہمیں حاصل محبت آپ کی ہے
تبھی شام و سحر میں تازگی ہے

ابھی ہوں دوستو! زندہ سلامت
ابھی دل میں تمنا جاگتی ہے

بہت خوش ہوں اسے خوش باش پاکر
حسیں یادوں کا دل میں درد بھی ہے

کسے خواہش نہیں اچھے دنوں کی
جو سچ پوچھو قناعت بے بسی ہے

مجھے معلوم ہے اپنی حقیقت
میں جو کچھ ہوں عنایت آپ کی ہے

تمہارے حسن کی نظرِ کرم ہے
تبھی پھولوں میں اتنی دلکشی ہے

حقیقت ہے کوئی مانے نہ مانے
محبت حسن کی دریا دلی ہے

نظامِ فکر نابینا سراپا
نظامِ فکر وجہِ تیرگی ہے

O

زیست، مت پوچھ کہ کیا ہوتی ہے
سانس لینے کی سزا ہوتی ہے

کیا عجب شے ہے محبت یارو
اس کی لذت ہی جدا ہوتی ہے

ہم کو ہر روز ہے درکار کرم
ہم سے ہر روز خطا ہوتی ہے

جب دھڑکتا ہے تیرے نام پہ دل
زندگی نغمہ سرا ہوتی ہے

جو عطا کرتے ہیں خوشیاں اقبالؔ
زندگی ان پہ روا ہوتی ہے

O

ہے کہیں میرا نشاں
کھو گیا جانے کہاں

مرحبا حسنِ خیال
زیست کا ہر پل جواں

زندگی دو چار دن
خواہشیں ہیں بے کراں

معجزۂ حرف و صوت
بے بسی، مجبوریاں

دل میں وہی اضطراب
قُرب ہو کہ دوریاں

O

قصۂ رنج و الم، کس سے کہیں!
دل پھٹا جاتا ہے ہم، کس سے کہیں!

کس کو آتی ہے محبت کی زباں
کون سمجھے گا یہ غم، کس سے کہیں!

کون سنتا ہے فغانِ درویش
جاں نکلتا ہے شکم، کس سے کہیں!

آدمی ہوں تو نمٹ لیں ان سے
دیوتاؤں کے ستم، کس سے کہیں!



کسی سحر کا ہمیں انتظار آج بھی ہے
ہزار جھوٹ سہی اعتبار آج بھی ہے

تمہیں تو آج بھی کھیلن کو چاند ملتے ہیں
تمہارے حسن پہ عالم نثار آج بھی ہے

ہمارے واسطے تم آج بھی حسین و جمیل
ہمارے دل پہ تمہیں اختیار آج بھی ہے

تمہارے واسطے دو بول فون پہ ہیں بہت
ہمارے واسطے اک زیست پیار آج بھی ہے

جو شعر اس پہ کہے ہیں وہی ہیں جانِ غزل
مرے کلام میں ان کی بہار آج بھی ہے



میں دیواروں میں چنوایا گیا ہوں
کبھی سولی پہ لٹکایا گیا ہوں

ہزاروں بار میں پھر سے بنا ہوں
ہزاروں مرتبہ ڈھایا گیا ہوں

بڑی موسیقیت ہے میرے اندر
میں ہر اک راگ میں گایا گیا ہوں

میرے ہونے نے مجھ کو مار ڈالا
میں اپنے آپ میں کھایا گیا ہوں

کبھی گاؤں نے مجھ کو لوٹ ڈالا
کبھی شہروں میں لٹوایا گیا ہوں

مری تخلیق میرے غم نے کی ہے
میں اپنے غم میں دفنایا گیا ہوں

ذرا سی دیر ٹھہرا ہوں چمن میں
بس اتنا ہے کہ میں آیا گیا ہوں

عجب سی دلکشی ہے میرے اندر
زمانے بھر میں فلمایا گیا ہوں



ابھی جاں نواز ہیں مشکلیں،ابھی زندگی کا جواز ہے
ابھی چارہ ساز ہیں کلفتیں،ابھی زندگی کا جواز ہے

کئی پھول ہیں جو کھلے نہیں،کئی خار ہیں جو چبھے نہیں
ابھی دل میں کتنی ہیں خواہشیں،ابھی زندگی کا جواز ہے

کسی حسن کی کبھی شوخیاں، کسی عشق کی کبھی گرمیاں
سبھی دستیاب ہیں راحتیں، ابھی زندگی کا جواز ہے

مرا انتظار کسی کو ہے، مجھے انتظار کسی کا ہے
کئی آہٹیں، کئی دستکیں، ابھی زندگی کا جواز ہے

کبھی تیری زلف کی یاد ہے، کبھی تیرے لب کے ہیں تذکرے
ابھی ہو رہی ہیں عبادتیں، ابھی زندگی کا جواز ہے

کئی فون آئے ہیں ''آؤ نا''! کئی دعوتوں کے ملے ہیں خط
مری منتظر کئی محفلیں، ابھی زندگی کا جواز ہے

ابھی کیا ہوں میں! یہ کھلا نہیں، ابھی کیا ہے تو! یہ پتہ نہیں
مرے دل میں کتنی ہیں حسرتیں، ابھی زندگی کا جواز ہے

مری شاخِ جاں ہے ہری ہری، مری خواہشات کی ساحری
کئی پھول ہیں کئی کونپلیں، ابھی زندگی کا جواز ہے

مرے دل میں آس کا چاند ہے، شب تار ہے تو ہوا کرے
ابھی ٹمٹماتی ہیں کوششیں، ابھی زندگی کا جواز ہے

رہِ شوق میں مری ہم سفر، کبھی صبح ہے کبھی شام ہے
کبھی قربتیں کبھی ہجرتیں، ابھی زندگی کا جواز ہے

پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال

ماہرِ تعلیم، شاعر، ادیب، نقاد، افسانہ نگار، مترجم، سماجی کارکن
ایم اے انگلش۔ ایم اے اردو
پہلا نابینا ایم فل (گولڈ میڈلسٹ)۔ پہلا نابینا پی ایچ ڈی
پہلا نابینا لیکچرار
سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج سرگودہا
سابق پروفیسر یونیورسٹی آف دی پنجاب لاہور
ایڈیٹر ماہنامہ ''سفید چھڑی'' سرگودہا
بانی صدر ''علمی ادبی تنظیم ''بزمِ فکر و خیال'' سرگودہا
صدر: ''پاکستان ایسوسی ایشن آف دی بلائنڈ'' سرگودہا
سابق صدر ''پاکستان ایسوسی ایشن آف دی بلائنڈ نیشنل'' کراچی
سابق صدر ''پاکستان ایسوسی ایشن آف دی بلائنڈ پنجاب'' لاہور
صدر ''تھنکرز فورم فار سوشل اپ لفٹ لاہور''
صدر: ''رحمت پارک ویلفیئر سوسائٹی یونیورسٹی روڈ سرگودہا''
نثری اور شعری تخلیقات: 17 عدد
شخصیت اور فن کے متعلق جرائد: 5 عدد
شخصیت اور فن پر کتب: 3 عدد
ایم فل کی سطح کا مقالہ: 2 عدد
شخصیت اور فن پر مضامین و مقالات: 100 سے زائد

ڈاکٹر شیخ اقبال کا منتخب مصور کلام از سعید احمد بوٹہ

چار زبانوں کے شاعر (اردو، انگریزی، فارسی اور پنجابی)

غزلیات پرمبنی آڈیو البم: 2 عدد

مختلف ادبی تنظیموں اور اداروں کی طرف سے اسناد اور ایوارڈز: 19 عدد

پیدائش 15 مارچ 1945ء بمقام کرنال شرقی پنجاب، آٹھ سال تک عام سکول میں تعلیم پائی اور پھر بینائی ضائع ہو گئی، ان گنت مشکلات کے باوجود انہوں نے اپنا تعلیمی سفر انتہائی کامیابی سے جاری رکھا، وظائف اور اعزازات حاصل کئے۔ انتہائی اعتماد اور یقین سے عملی زندگی میں قدم رکھا ان کی جد وجہد، مشکلات ومصائب سے دوچار لاکھوں افراد کے لئے مینارۂ نور ہے۔ وہ انگریزی میں ایم اے کرنے والے پہلے نابینا پاکستانی ہیں، پاکستان بھر میں بطور لیکچرار متعین ہونے والے پہلے فرد ہونے کا اعزاز بھی انہی کو حاصل ہے، نابیناؤں کی ملک گیر تحریک "پاکستان ایسوسی ایشن آف دی بلائنڈ" کے ایک مدت کے لئے بیک وقت ضلعی، صوبائی اور مرکزی صدر منتخب ہوئے۔ مرکزی وزارتِ ثقافت نے انہیں زبان وادب کی خدمات کے اعتراف میں توصیفی سند سے نوازا۔ انہیں سکاؤٹنگ کا صدارتی ایوارڈ بھی عطا کیا گیا اور محکمہ سماجی بہبود نے ان کی خدمات کے اعتراف میں گولڈ میڈل دیا۔ تعلیمی میدان میں ان کی کارکردگی بے بصر حضرات کے لئے تحریک کا باعث ہے کہ انہوں نے ایم فل میں گولڈ میڈل حاصل کیا اور (The Impact of British Poets on Iqbal) کے موضوع پر پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ تحریر کیا۔ پہلے شعری مجموعے "ساحلِ تشنہ لب" نے سرگودہا تعلیمی بورڈ کے اساتذہ کی شعری تخلیقات کے مقابلہ میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ ان کی غزلیات پرمبنی معروف گلوکاروں کی آواز میں دو البم منظرِ عام پر آچکے ہیں گلوکاروں میں بدر الزماں، فدا حسین، کوثر علی، ارشاد علی اور شکنتلا دیوی شامل ہیں۔ ریڈیو پاکستان کے سنٹرل پروڈکشن یونٹ نے بھی ان کی غزلیات کو تبسم وارثی اور تسنیم کوثر کی آوازوں میں ریکارڈ کیا ہے۔ وہ علمی اور ادبی جریدے ماہنامہ "سفید چھڑی" کے بانی مدیر ہیں جو

گزشتہ چھبیس سال سے مسلسل شائع ہو رہا ہے، وہ بے بصر افراد کے لئے ہی خدمات سرانجام نہیں دے رہے ہیں بلکہ اپنے علاقہ رحمت پارک کی ویلفیئر سوسائٹی کے صدر کے طور پر بھی اپنا بھرپور کردار ادا کر رہے ہیں۔ وہ ایڈیٹرز کونسل سرگودہا ڈویژن کے ایگزیکٹو باڈی کے رکن ہیں۔ گزشتہ ۳۲ سال سے "بزمِ فکر وخیال" کے پلیٹ فارم سے، جس کے وہ بانی صدر ہیں، علم وادب کی آبیاری میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کر رہے ہیں۔

خاندانی تفصیلات:

ان کا تعلق ایک معزز گھرانے سے ہے، ان کے والد ماجد جناب شیخ اللہ دیا (مرحوم) گورنمنٹ ہائی سکول خوشاب اور گورنمنٹ ہائی سکول نمبر 1 سرگودہا میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ پروفیسر شیخ محمد اقبال ایک کامیاب گھریلو زندگی گزار رہے ہیں، تین بچوں کے باپ ہیں، آپ کا بیٹا تابش اقبال فوجی سیمنٹ فیکٹری میں بطور منیجر فرائض سرانجام دے رہا ہے، آپ کی بیٹی کوکب اقبال لاہور کے ایک سرکاری کالج میں انگریزی کی پروفیسر ہے اور شاعرہ بھی ہے۔ جبکہ دوسری بیٹی کشور اقبال سرگودہا کے ایک سرکاری سکول میں سینئر انگلش ٹیچر ہے۔ ان کے ایک داماد حافظ جی ایم اختر یونیورسٹی آف سرگودہا میں اسسٹنٹ رجسٹرار ہیں اور دوسرے داماد محمد یعقوب ملک ایچی سن میں شعبہ ریاضیات سے منسلک ہیں۔

موجودہ سرگرمیاں:

پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ہمیشہ نئے طور اور نئی برقِ تجلی کے خواہاں رہے ہیں، وہ گزشتہ 45 سالوں سے بے بصر افراد کی تعلیم وتربیت کے لئے کوشاں ہیں اور ان کے زیرِ سرپرستی ایک ہمہ جہتی سکول "سفید چھڑی مرکز برائے نابینا افراد" نیو سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودہا میں قائم ہے۔ شاعری کے علاوہ موسیقی سے بھی گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور اپنی غزلیات کی دھنیں خود تیار کرتے ہیں الغرض ان کی پوری زندگی ایک مشن اور ایک نہ ختم ہونے والا جذبہ ہے تاکہ زندگی کو اس کے باسیوں کے لیے ایک خوب صورت اور قابلِ برداشت جگہ بنایا جا سکے۔

تصانیف

شاعری:

1۔ساحلِ تشنہ لب (1982)

2۔سوالیہ نشان (دوایڈیشن) (1989)(1993)

3۔اک ہمسفر اچھا لگا (1998)

4۔تلاوتِ دل (مجموعہ حمد و نعت) (1998)

Love's no Crime۔5 (2005)

6۔یہ کافر دل نہیں مانا (2007)

7۔اس کے نام (2014)

8۔نہ عشق نوں لیکاں لائیں (2016)

9۔ابھی زندگی کا جواز ہے (2017)

تنقید:

1۔جون ڈن شخصیت اور شاعری (1993)

2۔اقبال، بحضور اقبال (1999)

3۔جون کیٹس شخصیت اور شاعری (2001)

نثر:

1۔ذوقِ تماشا (1993)

2۔جہانِ مہ و پرویں (1997)

3۔دیدۂ دل (1998)

4۔کب رات بسر ہوگی (2001)

5۔آشوبِ آگہی (2007)

6۔مجھے ہے حکمِ اذاں (2012)

7۔ڈپریشن، علامات، اسباب اور علاج (2013)

خودنوشت:

1۔پردۂ سیمیں سے (چند سوانحی جھلکیاں) (2009)

زیرِ طبع

1۔The Impact of British Poets on Iqbal (پی۔ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ)

ڈاکٹر شیخ اقبال پر شائع شدہ کتب و جرائد اور مقالہ جات

1۔ماہنامہ ''سفید چھڑی'' کا پروفیسر شیخ اقبال نمبر (1999)

2۔بیاضِ دل (مرتب: شاہد بخاری ایڈووکیٹ) (2005)

3۔ماہنامہ ''سفید چھڑی'' کا پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کی نظم و نثر سے انتخاب نمبر (2005)

4۔ماہنامہ ''رشحات'' (لاہور) کا پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال نمبر (2007)

5۔سلسلہ وار مجلّہ ''دستک'' مری کا پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال نمبر (2007)

6۔حرفِ تمنا (مرتب: شاہد بخاری ایڈووکیٹ) (2008)

7۔ڈاکٹر شیخ اقبال شخصیت اور فن (مؤلف: تصور اقبال) (2011)

8۔ماہنامہ ''سپوتنک'' لاہور کا ڈاکٹر شیخ اقبال نمبر (2012)

9۔خصوصی گوشہ ماہنامہ ''سرگزشت'' کراچی (2013)

10۔خصوصی گوشہ سہ ماہی ''بےلاگ'' کراچی (2013)

11۔خصوصی گوشہ ''روزنامہ کشمیر پوسٹ انٹرنیشنل'' اسلام آباد (2013)

12۔ ''پروفیسر ڈاکٹر شیخ اقبال کی غزل گوئی'' مقالہ نگار: عاصمہ قمر اعوان (ایم اے اردو)
نگران: ڈاکٹر گوہر نوشاہی (نمل یونیورسٹی اسلام آباد) سیشن۔ 2007-08

13۔ ''سرگودھا میں آپ بیتی کی روایت۔ تحقیقی و تنقیدی جائزہ'' سیشن۔ 2012-14
مقالہ نگار: سید مرتضیٰ حسن (ایم۔ فل اردو)۔ نگران: ڈاکٹر محمد یار گوندل (یونیورسٹی آف سرگودھا)

14۔ ''پاکستان میں بصارت سے محروم اُردو شعراء'' مقالہ نگار۔ محمد عاصم (ایم اے اردو)
نگران: ڈاکٹر اصغر علی بلوچ (جی سی یونیورسٹی فیصل آباد) سیشن 2013-15

15۔ ''پروفیسر شیخ محمد اقبال کی ادبی خدمات'' مقالہ نگار۔ جاوید اقبال (ایم فل اردو)
نگران: ڈاکٹر شعیبہ معید (یونیورسٹی آف سرگودھا) سیشن 2013-15

مختلف جرائد و کتب میں ڈاکٹر شیخ اقبال کا ذکر

''سخنورانِ سرگودھا''، اخلاق عاطف (1983)

''جانِ رحمت (نعتیہ انتخاب)''، اخلاق عاطف (1985)

''بہارِ نعت''، حفیظ تائب (1990)

''نعت گویانِ سرگودھا''، شاکر کنڈان (2006)

''ہسٹری آف سرگودھا''، پروفیسر صاحبزادہ عبدالرسول (2006)

اہلِ قلم ڈائریکٹری (اکادمی ادبیات پاکستان) (2008)

انٹرنیشنل ڈائریکٹری آف اُردو رائٹرز (اکادمی ادبیات پاکستان)

سہ ماہی ادبیات کا بہترین شعری ادب (2008)

English Poets of Pakistan مصنف: شاہینہ آصف

''نبی کا قصیدہ''، ارشد محمود ارشد (2010)

''ہمتِ مرداں مددِ خدا''، بریگیڈیئر ڈاکٹر محمد اشرف (2011)

''دشتِ سخن''، اکمل شاکر (2013)

انعامات و اعزازات

☆۔ سکاؤٹنگ میں خدمات کے اعتراف میں ''صدارتی ایوارڈ'' 1990

☆۔ شیلڈ منجانب: گورنمنٹ کالج سرگودھا 1997

☆۔ تین عدد ایوارڈز منجانب: ایڈیٹرز کونسل سرگودھا (شیلڈ، گولڈ میڈل، شاہین ایوارڈ) 1997

☆۔ ''پنجاب انجم ایوارڈ'' منجانب: انجم آرٹ سوسائٹی وقاسم آرٹ سوسائٹی سرگودھا 1998

☆۔ ''نشانِ خدمت'' منجانب ینگ سروسز ویلفیئر سوسائٹی سرگودھا 2000

☆۔ ''ستارۂ سماج'' منجانب پاکستان سوشل ایسوسی ایشن 2001

☆۔ سماجی خدمات کے اعتراف میں پنجاب سوشل سروسز ایوارڈ 2002

☆۔ تین عدد شیلڈز منجانب: یونیورسٹی آف دی پنجاب لاہور 2005

☆۔ راؤ منان ڈائلسز سینٹر سرگودھا کی جانب سے ''خدمتِ انسانیت ایوارڈ'' 2007

☆۔ عمدہ کارکردگی پر علامہ اقبال گولڈ میڈل (منجانب: برائٹ فیوچر سوسائٹی۔ لاہور) 2009

☆۔ شیلڈ منجانب: قائدِ اعظم لاء کالج سرگودھا 2010

☆۔ انگلش لٹریری سوسائٹی لاہور کی طرف سے پوئٹری ایوارڈ 2010

☆۔ الیکٹرانک میڈیا کلب سرگودھا کی طرف سے ''بیسٹ پرفارمنس ایوارڈ'' 2013

☆۔ شیلڈ منجانب: کمانڈنٹ اینڈ آل آفیسرز (آرمی ویٹرنری سکول) سرگودھا 2014

☆۔ شیلڈ منجانب: آرمی سکول آف لاجسٹکس۔ کلدانہ مری 2015

منجانب: انفارمیشن سیل ''ماہنامہ سفید چھڑی'' سرگودھا